

زندگیوں بدلنے والی کتاب
”الکیمیست“ Alchemist کا ترجمہ

کیمیاء گری

ترجمہ
عمر الغزالی

پاولو کوئیلو

وہ اپنی منزل کی تلاش میں اندلس سے روانہ ہوا، لیکن افریقہ کے ساحل پر اپنی جمع پونجی سے محروم ہو گیا۔ پھر اس کی ملاقات ایک کیمیاگر سے ہوئی جس نے اُس کی رہنمائی دنیا کے سب سے قیمتی خزانے تک کی۔ دنیا کی چالیس زبانوں میں ۴۰ کروڑ سے زیادہ تعداد میں فروخت ہونے والی کتاب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کیمیاگری

مصنف

پاولو کوئیلو

مترجم



Omer Alghazali

سینٹر فار ہیومن الیکسی سینس

51-A3، لارنس روڈ، لاہور

فون نمبر: 042-36315350، ای میل: chelahore@yahoo.com

ویب سائٹ: www.che.org.pk

جملہ حقوق محفوظ ہیں



کیاگری	:	نام کتاب
سینٹر فار ہیومن ایکسی لینس	:	ناشر
تایا پرچنگ پریس اینڈ سنز	:	مطبع
سنی راجیل	:	سرورق
دسمبر 2009ء	:	طبع اول
نومبر 2010ء	:	طبع دوم
260 روپے	:	قیمت



سینٹر فار ہیومن ایکسی لینس

51-A3، لارنس روڈ، لاہور

فون نمبر: 042-36315350، ای میل: chelahore@yahoo.com
ویب سائٹ: www.che.org.pk

انتساب

اپنی اس کوشش کو تین ایسی شخصیات سے منسوب کروں گا
جن کا میری زندگی میں بہت اہم مقام ہے:

والد محترم ”حاجی غلام حسین“
جن سے میں نے بامقصد زندگی کا شعور حاصل کیا۔

”لیفٹیننٹ جنرل زاہد حسین خان“
جن کی مدد سے میں نے اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو پہچانا۔

”منیر لدھا“
جن کی مدد سے میں نے خوابوں کی تعبیر ڈھونڈنے کی ہمت پائی۔

کیا گری

اس کتاب کے عنوان سے لگتا ہے جیسے یہ کوئی مہماتی قسم کا ناول ہوگا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس میں یہ دونوں خوبیاں ہیں مگر اس کے باوجود یہ اپنی طرز کی ایک بہت مختلف، شاندار اور غیر معمولی کتاب ہے۔ یہ دنیا کی چالیس سے زائد زبانوں میں ترجمہ ہو کر کروڑوں کی تعداد میں فروخت ہو چکی ہے۔ جن میں اس کے اردو ترجمہ کی چند کاپیاں بھی شامل کر لیں:

یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر

تفصیل برطرف یہ انسانی فکر، خواہش، طمع، جوش، ہمت اور نیرنگی زمانہ کی ایک عجیب و غریب اور انتہائی دلچسپ داستان ہے اور زیر نظر ترجمہ میں بیان کو آسان اور موثر بنانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ جو یقیناً قارئین کو اپنی طرف متوجہ کرے گی۔

اس ترجمے کا مقصد معاشی فائدے کا حصول یا اپنی ادبی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ نئی نسل کو وہ اہم پیغام دینا ہے جو زندگی کی حقیقت سے انہیں روشناس کرواتا ہے اور مقصد کی اہمیت، اس کے حصول کی لگن اور اس کے لیے قربانی دینے کی ہمت پیدا کرتا ہے۔

برادرِ عمر الغزالی دردمند دل رکھتے ہیں اور معاشرے کی اصلاح اور ترقی کے لیے ہمہ وقت نئے نئے طریقے سوچتے اور ان کو عملی شکل دینے میں کوشاں رہتے ہیں مجھے یقین ہے کہ ان کی یہ کوشش رایگاں نہیں نہیں جائے گی اور اس کے مطالعے سے نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پر سوز کا ایک ایسا منظر کھلے گا جس سے ہماری نئی نسل کے قارئین بالخصوص استفادہ کریں گے۔

امجد اسلام امجد

لاہور

خواب بننے کی خواہش

شمار کرنے پہ آؤں تو شاید چند نام ایسے ملیں کہ جنہوں نے خون جگر میں انگلیاں ڈبو کر صرف اور صرف اپنی نسل یا آئندہ آنے والی نسل کے نو نہالوں کے لیے تحریریں رقم کی ہوں۔ اردو کا دامن اس گوہر سے بہت ہی تہی ہے اور اس کے دشت کی پیاس بہت زیادہ ہے۔ آپ اس تحریر کی جاننداری دیکھئے کہ آپ ایک کہانی کے سحر میں بھی رہتے ہیں اور گزرے وقت کے زخم کی داستان بھی سنتے جاتے ہیں۔ یہی تو وہ سحر ہے، وہ جادو ہے جو میری آنے والی نسل کو زندہ رکھے گا، ماضی سے پیوستہ رکھے گا اور مستقبل کے خواب بننے کی خواہش پیدا کرے گا۔

بلاشبہ پاؤں کو کیلو کا طرز بیان اور تحریر کی جامعیت اور کہانی کا پلاٹ اپنی جگہ مگر برادرِ عمر الغزالی نے کتاب کا تعارف اور پھر آخر میں اہم نقاط کو ذہن نشین کرانے کے لیے جو سوال نامہ مرتب کیا ہے وہ اس کتاب کی اہمیت کو بڑھاتا ہے۔

اور یا مقبول جان

لاہور

حرف آغاز

"Every few decades a book is Published which changes lives of its readers for ever the Alchemist is such a book."

دی ایکسپریس کا یہ تبصرہ برازیلی مصنف پاؤلو کوئیلو کی کتاب کے بارے میں ہے جس کی اب تک دنیا کی 40 سے زیادہ زبانوں میں چار کروڑ سے زائد کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں۔ کتاب کی اس بے مثال مقبولیت کی وجہ اس کا موضوع اور مصنف کا انداز تحریر ہے۔ کتاب کا موضوع ہر انسان کی زندگی میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ مصنف نے اس موضوع کو انتہائی سادہ اور دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے کہ قاری پر اس کا سحر طاری ہو جاتا ہے اور کتاب کے اختتام پر وہ اپنے آپ کو ایک الگ دنیا میں پاتا ہے۔

اس کتاب کو ترجمہ کرنے کی بنیادی وجہ اس کی مقبولیت اور اس میں پیش کیے جانے والے موضوع کی اہمیت نہیں ہے بلکہ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ:

☆ مصنف نے انسانی زندگی کے چند بہت ہی اہم امور سے متعلق پائی جانے والی کم علمی بلکہ غلط فہمی کا ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اس کوشش میں کس حد تک کامیاب رہا ہے، اس کا اندازہ کتاب کی مقبولیت سے لگایا جاسکتا ہے۔

☆ ان امور سے متعلق مصنف کا نقطہ نظر کم و بیش وہی ہے جو اسلام کا ہے دراصل یہ بہت حد تک اسلام کے فلسفہ حیات سے ہی اخذ شدہ ہے۔

ہم بالعموم اپنے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہیں۔ مغرب کی صنعتی ترقی کی چکا چوند ہماری نظر اپنے اسلاف کے کارناموں تک بھی نہیں جانے دیتی۔ ہمارے ہاں تیار ہونے والی اشیا جب بین الاقوامی لیبل کے ساتھ واپس ہمارے ہاں فروخت ہوتی ہیں تو ہمارے اعتماد پر پوری اترتی ہیں۔ اسی طرح ہمارے اپنے نظریات جب مغربی لبادہ اوڑھ کر ہمارے پاس آتے ہیں تو ہمارے لیے معتبر اور قابل عمل بن جاتے ہیں۔

اس کتاب کو پڑھ کر اس بات کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ

☆ مغرب کی کامیابی کے پیچھے وہ نظریات اور اصول ہیں جو حضرت محمد ﷺ آج سے چودہ سو سال قبل لائے تھے۔

☆ کیا اس دنیا میں کامیاب زندگی کیلئے اس نظریہ حیات پر صرف ایمان لانا ہی کافی ہے یا ایمان کے بعد عمل بنیادی شرط ہے۔

☆ اسلام کے فلسفہ حیات پر ایمان لائے بغیر اس کے اصولوں پر عمل تو اس دنیا میں کامیابی کی ضمانت ہے۔ اس کی مثال ہمیں مغرب سے مل سکتی ہے۔ جبکہ ان لازوال اصولوں پر محض ایمان جو کہ عمل سے خالی ہو، ایمان لانے والے کو اس دنیا میں کامیابی کی ضمانت نہیں دیتا۔ اس کی گواہی ہماری بے سکون معاشرتی زندگی دیتی ہے۔

اس کاوش کا مقصد یہ ہے کہ ہم زندگی کی حقیقت کو جانیں اور ایک بامقصد زندگی گزارنے اور اس مقصد کے حصول کے لیے درکار محنت کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھیں۔

کتاب سے مستفید ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اس کتاب کو محض ایک کہانی سمجھ کر نہ پڑھیں۔ مطالعے کا آغاز کتاب کے تعارف سے کریں۔ اس میں اٹھائے جانے والے نقاط کو لیکر کتاب کا مطالعہ کریں۔ اور ان کا جواب تلاش کریں۔

کتاب کے آخر میں ایک سوال نامہ لف کیا گیا ہے تاکہ وہ اہم نقاط جو مصنف نے اٹھائے ہیں اور جو اس کتاب کی عالمگیر شہرت بنے، ہر قاری ان کا زیادہ سے زیادہ ادراک حاصل کر سکے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا آنے والا کل ہمارے آج سے بہتر بنانے کا شعور اور ہمت عطا فرمائے۔ (آمین)

عمر الغزالی

تعارف

پاولو کو کیلو نے ہر انسان کی زندگی میں پیش آنے والے درج ذیل پانچ انتہائی اہم امور کو بہت ہی دلچسپ کہانی کے انداز میں پیش کیا ہے:

- ۱- مقصد کا تعین اور اس کے حصول کی جدوجہد انسان کو جانوروں سے ممتاز کرتی ہے۔
- ۲- انسان مقصد کا احساس ہونے کے باوجود اس کے حصول کی جرأت نہیں کر پاتا کیونکہ -

- ☆ وہ ناکامی سے خوفزدہ ہوتا ہے۔
- ☆ مقصد کی صداقت پر اس کا اعتقاد متزلزل ہوتا ہے۔
- ☆ مقصد کے حصول کے لیے درکار محنت سے گھبراتا ہے۔
- ☆ وہ رسک لینے سے ڈرتا ہے۔

- ۳- اپنی موجودہ حالت کو قسمت کا لکھا سمجھ کر اپنے دل کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
- ۴- انسان کو یا تو ماضی کی کوتاہیاں پریشان کرتی ہیں یا پھر مستقبل کی فکر ستاتی ہے۔ اس فکر اور پریشانی میں وہ اپنے حال سے غافل رہتا ہے۔
- ۵- انسان کو اپنی صلاحیتوں پر اعتماد نہیں ہوتا۔

مغربی معاشرے میں ایک فرد کی انفرادی اور ازدواجی زندگی جتنی بھی افراتفری کا شکار ہو، (ہمارے مطابق) ان کی معاشرتی زندگی کی کامیابی ہمیں بہت کچھ سوچنے کی دعوت دیتی ہے۔ ان کی کامیاب معاشرتی اور سماجی زندگی کی بنیاد بھی اسلام کے لازوال اصولوں پر عمل ہے۔ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ اہل مغرب اس پیغام پر ایمان تو نہیں لائے مگر اس پر صدق دل سے عمل کر کے ایک پرسکون زندگی گزار رہے ہیں۔

جب کہ ہم لوگ اللہ کی وحدانیت اور اس کے دیئے ہوئے فلسفہ حیات پر ایمان رکھتے ہیں مگر ہماری سماجی زندگی میں پائی جانے والی اجتری، نفسا نفسی، رشوت، اقربا پروری، سفارش اور اپنے معاشرتی فرائض سے غفلت ہمیں دعوت فکر دیتی ہے کہ آیا اس دنیا میں کامیاب زندگی گزارنے کے لیے صرف اسلام کے رہنما

اصولوں پر ایمان لانا ہی کافی ہے یا اس پر عمل بھی ضروری ہے۔

ہمارے تمام مسائل کی اصل وجہ وہ نظام تعلیم ہے جو ایک سازش کے تحت برطانوی دور میں ترتیب دیا گیا تھا۔ مقصد تھا کہ نوجوان نسل سے اس کی پہچان، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اور اپنی عقل کو استعمال کرنے کی اہلیت چھین لی جائے تاکہ وہ وفادار غلاموں کی طرح نہ صرف برطانوی اقتدار کو قبول کر لیں بلکہ اس کے لیے کل پرزوں کا کام بھی کریں۔ یہ اسی نظام تعلیم کا ہی کرشمہ تھا کہ صرف چند سو انگریز دو سو سال تک کروڑوں لوگوں پر حکومت کرتے رہے۔

یہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہماری نسلیں بے مقصدیت کا بدترین نمونہ پیش کرتی ہیں۔ اس نظام تعلیم سے تربیت پا کر تیار ہونے والی نسل کی تصویر کشی اکبر الہ آبادی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

لڑیچہ کو چھوڑ اپنی ہسٹری کو بھول جا
شیخ و مکتب سے ناٹھ ترک کر سکول جا
چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ
کھا ڈبل روٹی کلر کی کر خوشی سے پھول جا

نہ ہمیں منزل کا پتہ ہے اور نہ راستے کا علم۔ ہم یہ بھی بھول گئے کہ آج یورپ ترقی کے جس عروج پر ہمیں نظر آتا ہے اس کی سیڑھی ہمارے آباؤ اجداد نے ہی تعمیر کی تھی۔ اقبال ہماری نسل کو خواب غفلت سے جگاتے ہوئے کہتے ہیں

کبھی اے نوجوان مسلم! تدبیر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ ہم خواب خرگوش سے نکل کر اپنی اس گم شدہ میراث کو دوبارہ پانے کی جدوجہد کرنے کی بجائے بے عملی کا شکار ہیں۔ ہم اپنی شاندار تاریخ پر فخر تو کرتے ہیں مگر اس کو دوبارہ حاصل کرنے کی جدوجہد کرنے کی ہمت نہیں رکھتے اقبال کہتے ہیں:

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار، تو ثابت وہ سیارا

تھے تو آبا وہ تمہارے ہی، مگر تم کیا ہو
باتھ پر ہاتھ دھرے خطر فردا ہو!

ہم اپنے بارے میں شدید احساس کتہ کی کا شکار ہیں۔ ہمارے ہاں تیار ہونے والے کارمنٹس اور سپورٹس کا سامان Nike اور Addidas کے لیبل کے ساتھ ہماری دکانوں میں واپس آتے ہیں تو یہ ہمارے لیے کوالٹی کی ضمانت ہوتے ہیں۔ اور کئی گنا مہنگے بکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح مغرب سے نکلنے والا ہر نظریہ، چاہے اس کی اساس اس ابدی پیغام پر ہی کیوں نہ ہو جو رسول نبی کریم ﷺ آج سے چودہ سو سال قبل لائے تھے ہمارے لیے زیادہ قابل قبول ہو جاتا ہے۔ اگر ہم تب بھی ان باتوں پر عمل پیرا ہوں تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ حضور پاک ﷺ کا فرمان ہے کہ حکمت مومن کی گم شدہ میراث ہے وہ اسے جہاں سے ملتی ہے وہ اسے حاصل کر لیتا ہے۔ مصنف اس کتاب میں ہر انسان کی زندگی میں پیش آنے والے پانچ اہم امور کو بہت خوبصورتی کے ساتھ واضح کرتا ہے۔

مقصدیت

جن لوگوں کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہوتا ان کی مثال بھیڑوں کی سی ہے جن کی زندگی کا مطمع نظر صرف اور صرف چارے اور پانی کا حصول ہوتا ہے۔

دن اور رات کا آنا جانا، موسموں کا بدلنا یا پھر نئی چراگاہ میں آمد غرض کسی بات سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر چہ وہ انہیں ایک ایک کر کے ذبح بھی کرنا شروع کر دے تو انہیں معلوم تک نہیں ہوگا۔

جب کہ ان انسانوں کی مثال، جن کی زندگی کا کوئی مقصد ہوتا ہے، ایک چرواہے کی سی ہے۔ جو بھیڑوں کے ریوڑ کو موسموں کی شدت اور بھیڑیوں کے خطرے سے محفوظ رکھتا ہے اور ان کی رہنمائی ہری بھری چراگا ہوں کی طرف کرتا ہے۔

مقصد ہی انسان کو جانوروں سے ممتاز کرتا ہے۔ مقصد کے حصول کی لگن انسان کو آگے بڑھنے کا حوصلہ اور مشکلات کو جھیلنے کی جرأت دیتی ہے۔ یہ مقصد کے حصول کی لگن ہی ہے جو انسان کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ ہر ناممکن کام کو ممکن بنا سکتا ہے۔

یہ واضح مقصد ہی تھا کہ انسان نے چاند و مسخریہ اور اب اس کے قدموں کی گونج مرغ پر سنائی دے رہی ہے۔ چاند کو تخیل کرنے والے لوگ بھی ہماری طرح گوشت پوست کے انسان ہی تھے۔ ان میں اگر کوئی خاصیت تھی تو صرف یہ کہ انہیں اپنے مقصد کا علم تھا اور ان میں اس کے حصول کی لگن تھی۔ مقصد جتنا واضح ہوگا اس کا حصول اتنا ہی آسان۔

مقصد کے حصول کی لگن اور ہمت

مقصد کے تعین کے بعد، کامیابی کی دوسری شرط مقصد کے حصول کی تڑپ اور لگن ہے۔ یہ لگن اتنی شدید ہو کہ انسان اس کے حصول کی تنگ و دو درمیان میں ترک نہ کر دے۔ اکثر لوگوں کی زندگی کا مقصد تو ہوتا ہے لیکن وہ اس کے حصول کے لیے مسلسل تذبذب کا شکار رہتے ہیں کیونکہ وہ

☆ ناکامی سے خوفزدہ ہوتے ہیں۔

☆ مقصد کے حصول کے لیے درکار محنت سے جی چراتے ہیں۔

☆ مقصد کی صداقت پر غیر محکم یقین کا فقدان ہوتا ہے۔

☆ ناکامی کا خوف اور اپنی صلاحیتوں پر اعتقاد کی کمی انسان کو مقصد کے حصول کی کوشش سے دور رکھتی ہے۔

کامیابی صرف یہی نہیں ہے کہ آپ منزل پر پہنچ جائیں اگر منزل سے کچھ پیچھے بھی رہ جائیں اور آپ اگر بغور جائزہ لیں تو آپ اس سفر کے دوران کئی اور منازل حاصل کر چکے ہوتے ہیں جو بچے خود کامیابی کا درجہ رکھتی ہیں۔ ہر انسان یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ ہر اس چیز کو حاصل کر لے جس کا وہ ارادہ کر لے۔

دسمبر 1956ء میں روس کے ہنگری پر قبضے کے بعد اینڈریو فرار ہو کر آسٹریا آ گیا اور وہاں سے نیو یارک۔ اس کا باپ گوالا اور ماں کلرک تھی۔ غربت کی وجہ سے وہ تعلیم حاصل کرنے سے محروم رہا تھا۔ اور مزدوری کر کے گذر اوقات چلاتا تھا۔ اجنبی شہر میں بے چارگی اور بے بسی کی حالت میں چار دن بغیر کچھ کھائے پیے گذر گئے۔ اور ایک پل کے نیچے اس کا ٹھکانہ تھا۔ اسی فاقہ مستی میں سات ماہ گذر گئے۔ 1957ء کے وسط میں اسے ایک بس کنڈکٹر کی نوکری مل گئی۔

جب جیب کچھ پیسے اور پیٹ میں روٹی آتی تو ذہن نے بھی کام شروع کیا۔ اس نے سوچا ”کیا میں نے زندگی بھر مسافروں کی گالیاں سنی ہیں؟“

دل نے گواہی دی کہ زندگی محض روٹی اور پانی کی فکر سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس نے سوچا کہ کیا کیا جائے۔ جواب آیا کہ ترقی اور کامیابی کے راستے علم سے نکلتے ہیں۔ پھر سوچا کہ تعلیم کے لیے تو کافی رقم درکار تھی جبکہ وہ مشکل سے پیٹ کا ایندھن پورا کر پاتا تھا۔ اس نے ارادہ کیا کہ وہ دن میں ایک بار کھانا کھائے گا اور ریل یا بس کی بجائے پیدل سفر کرے گا۔ چھ ماہ میں اس نے اتنے پیسے جمع کر لیے کہ سٹی کالج نیو یارک میں داخلہ لے سکے۔

اینڈریو گروو کی انگریزی بہت ہی واجبی اور سائنس کا علم نہ ہونے کے برابر تھا لیکن وہ پھر بھی

پڑھائی میں "ماڈرن سائنسز" رکھنے پر مصر تھا۔ جب اس کا اصرار ضد میں بدلنے لگا تو پرنسپل ساتھیوں کی طرف مڑ کر بولا

"اگر کوئی چار فٹ کا بونا دس فٹ اونچی چھلانگ لگانا چاہے تو ہم اسے روکنے والے کون ہوتے ہیں۔"

پرنسپل کا یہ فقرہ اس کے دماغ میں اٹک کر رہ گیا اور آنے والے دنوں میں اس کے لیے ممبیز کا کام دیتا رہا۔ 1964ء کی ایک رات جب اس نے اپنی گرل فرینڈ ایوا سے اپنے مقصد کا تذکرہ کیا کہ وہ دنیا کا سب سے بڑا انسان بننا چاہتا ہے تو اس کا رویہ اینڈریو کے لیے خلاف توقع تھا

"اینڈریو ماونٹ ایورسٹ یقیناً بہت اونچی ہے لیکن انسان کے حوصلوں کے سامنے بہت چھوٹی ہے۔ اس کو سر کرنے والے بھی انسان ہی تھے ڈیڑھ سو پونڈ وزنی، دو آنکھوں، دو ہاتھ اور ایک پاؤ دماغ والے انسان۔ آخر تم ان میں سے ایک کیوں نہیں ہو سکتے۔" ایوا نے جواب دیا۔

"ہاں ایوا صرف عقل اور محنت لوگوں کو بڑا بناتی ہے اور میرے پاس دونوں ہیں۔"

1967ء میں اس کی زندگی نے ایک اور کروٹ لی۔ اس نے گارڈن مور اور رابرٹ نائس کے ساتھ مل کر "انٹل" (Intel) کی بنیاد رکھی۔ اس کے چھوٹے سے دفتر کو دیکھ کر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ صرف آٹھ برس بعد انٹل (Intel) امریکہ میں بزنس کے ریکارڈ توڑ دے گی لیکن اینڈریو کو اس کا یقین تھا اور یہی یقین اس کا اصل سرمایہ تھا۔

اینڈریو کو دو کا نام آج دنیا کی ساتویں بڑی فرم کے ساتھ آتا ہے۔ اس کمپنی کے اثاثے 50 بلین ڈالر سے زیادہ ہیں (پاکستان کے کل بیرونی قرضے 32 بلین ڈالر ہیں) اور یہ ہر سال 5.1 بلین ڈالر سے زیادہ کا منافع کماتی ہے۔ اینڈریو کے ذاتی اثاثے 300 بلین ڈالر ہیں۔

1997ء میں اینڈریو کو "مین آف دی اینیر" قرار دیا گیا۔ ٹائم میگزین کی ٹیم نے انڈریو کے دوران اس سے سوال کیا "کیا آپ دنیا کے بے روزگار لوگوں کو کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟" اس نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کیں لمبا سانس لیا اور پھر صحافیوں سے مخاطب ہوا

"میرے خیال میں دنیا میں کوئی بیروزگار نہیں۔ قدرت نے جسے عقل سے نوازا ہو، دو

ہاتھ دیئے ہوں آخر وہ بے روزگار کیسے ہو سکتا ہے؟"

"لیکن دنیا میں تو اس وقت بے روزگار لوگوں کی تعداد کروڑوں میں ہے۔" صحافی نے سوال کیا۔

”آپ غالباً پست حوصلہ اور بڑا حرام لوگوں کو بے روزگار رکھ رہے ہیں۔“ انڈریو نے جواب دیا۔

قرآن اس بات کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

﴿لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى﴾ (سورۃ النجم: آیت ۳۹)

انسان کے لیے کچھ نہیں سوائے اس کے جس کی اس نے کوشش کی۔ یا شاعر مشرق کے الفاظ میں۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی، جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ تاری ہے

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہم کوشش تو کرتے ہیں مگر نتائج الٹ نکلتے ہیں۔

کامیابی آپ کا امتحان لیتی ہے جو اس امتحان پر پورا اترتا ہے وہ کامیابی سے سرفراز ہوتا ہے ایک چینی

کہاوت ہے کہ

”رات کے تاریک ترین لمحات صبح سے تھوڑی دیر قبل آتے ہیں۔“

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اللہ پر یقین رکھیں کہ وہ ہمارے ساتھ ہیں۔

﴿حَسْبُكَ اللَّهُ وَيُغْنِيكَ﴾ (سورۃ آل عمران: آیت ۱۷۳)

”اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہی بہترین رزق دینے والا ہے۔“

﴿وَإِذَا سَأَلْتِ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ﴾ (سورۃ البقرہ: آیت ۱۸۶)

”میرے بندے تم سے میرے متعلق سوال کریں تو انہیں بتا دو کہ میں ان سے بہت

قریب ہوں جب خدا ہمارے اتنا قریب اور ہمارے لیے کافی ہے تو پھر گھبرانا کیسا۔“

اور پھر ناکامی کی وجوہات ڈھونڈنے کا انسان کی صلاحیتوں پر منفی اثر ہوتا ہے۔ ماہرین نفسیات کے

مطابق جب تک آپ اپنی ناکامی کی وجوہات ڈھونڈتے رہتے ہیں آپ کا ذہن آپ کو کوشش کرنے سے

روکتا رہتا ہے اگر آپ ان وجوہات کو قبول کرنے سے انکار کر دیں تو آپ کا ذہن آپ کی جدوجہد میں آپ

کے ساتھ مصروف ہو جاتا ہے۔

جب ہم با مقصد زندگی نہیں گزار رہے ہوتے تو ہماری توجہ اس بات پر ہوتی ہے کہ کام میں صرف اتنی

محنت کی جائے کہ کسی کوشکایت کا موقع نہ ملے مگر جب ہم با مقصد زندگی گزارتے ہیں تو ہم کام صرف وقت

گزارنے کے لیے یا محض کام نمٹانے کے لیے نہیں کر رہے ہوتے بلکہ اس کام سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

جب آپ کام میں لطف محسوس کرتے ہیں تو آپ کی کارکردگی بھی بہتر ہوتی ہے اور لوگ آپ کے ساتھ کام

کر کے، آپ کے ساتھ کاروبار کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں۔

قسمت

ہم زندگی کے بارے میں بہت ہی عجیب و غریب اور بعید از حقیقت نظریات رکھتے ہیں۔ جن میں ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ ہماری زندگی و موت، رزق غرض سب کچھ قدرت کے تابع ہے اور ہمارا اس پر کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ اور اس مثبت نظریہ کے ہماری زندگی پر بہت ہی منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ قسمت پر یقین کا یہ منفی پہلو ہمیں محنت سے جی چرانے کی ترغیب دیتا ہے۔ بے شک خدا نے سب کچھ ہمارے لیے طے کیا ہے اور ہمارے لیے ایک راہ بھی متعین کی ہے۔ اس کی رحمت سے یہ بعید ہے کہ جو کچھ اس نے انسان کے لیے متعین کیا ہے وہ اس کے فائدے کے لیے نہیں ہے؟ خدا نے انسان کی قسمت میں جو بھی لکھا ہے اس کے حصول کے لیے محنت کو وسیلہ بنایا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک روز ایک صحابی نے شکایت کی کہ آپ نے تو کہا تھا کہ ہماری ہر چیز خدا کی حفاظت میں ہے لیکن آج میں اپنی اونٹنی کو چرتا چھوڑ کر نماز پڑھ رہا تھا جب میں نماز سے فارغ ہوا تو میری اونٹنی وہاں نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے ان صحابی سے پوچھا ”تم نے اونٹنی کو کھونٹے کے ساتھ باندھ رکھا تھا؟“ انہوں نے جواب دیا کہ ”جب ہر شے خدا کی حفاظت میں تو پھر اونٹنی کو باندھنے کی کیا ضرورت تھی؟“ ”اونٹنی کی حفاظت تو خدا نے کرنی تھی مگر اس کام کے لیے اس نے کھونٹے کو وسیلہ مقرر کیا ہے۔“ حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا۔

اگر اس بات کو مان بھی لیا جائے کہ انسان کی قسمت میں پہلے سے کچھ لکھا ہوا ہے، تو اس کے حصول کا وسیلہ تو بہر حال انسان کی محنت ہی ہے!

حدیث قدسی ہے:

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان میں رہتا ہوں۔ وہ میرے بارے میں جیسا سوچتا ہے ویسا ہی اس کے ساتھ ہوتا ہے۔“

اگر انسان یہ سوچے کہ قدرت اس کے خلاف عمل پیرا ہے تو ناکامی اس کا مقدر ہوگی لیکن اس کا ذمہ دار کوئی اور نہیں وہ خود ہی ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق سلوک کرتا ہے۔ پاؤ لو کے مطابق ”جب کوئی انسان کسی کام کو کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو کائنات کی ہر شے اس کی مدد کے لیے مصروف ہو جاتی ہے۔“

"If somebody wishes to do something the whole universe conspires to make it come true."

اس مرقی وہیں ہمیں قرآن سے ان اغاظ میں ملتی ہے

﴿فَوَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ (سورۃ آل عمران آیت ۱۵۹)

”وہ جب کسی کام کا مصمم رہے تو مجھ پر بھروسہ کرو۔“

اس بات کی صداقت کی وہی ہمیں اپنی روزمرہ زندگی میں ضرور نظر آئے گی۔ دوسروں کی مثال چھوڑیے خود آپ کی اپنی زندگی میں یہ ضرور ہوا ہو گا کہ آپ کسی بات کا مصمم ارادہ کر لیں تو بظاہر ناممکن کام بھی مکمل ہو جاتا ہے۔

”نسان وہ کام کرے جو اس کی میلان طبع کے مطابق ہو، تو وہ اس کام سے طف اندوز ہوتا اور اس میں کمال حاصل کرتا ہے۔ جب کہ اگر وہ کوئی کام محض مجبوراً کر رہا ہو تو اس کے ساتھ اتنا انصاف نہیں کر سکتا۔ ہمارا نظم تعلیم اس طرح سے ترتیب ہی نہیں دیا گیا کہ طالب علموں میں سوچنے اور اپنے ذہن کو استعمال کرنے کی استعداد پیدا کی جائے۔“

یہ مشہور انگریزی مثل ہے

"Who has no courage to loose sight of the shore can never discover new horizons"

مستقبل کی فکر

نسان یا تو اپنے ماضی کی کوتاہیوں پر پریشان رہتا ہے یا مستقبل کی فکر میں مبتلا رہتا ہے۔ اس فکر اور پریشانی میں وہ اپنے حال سے غافل ہو جاتا ہے۔ زندگی میں ماضی اور مستقبل کوئی مفہوم نہیں رکھتے۔ ماضی اس لیے نہیں کہ آپ اسے بدل نہیں سکتے۔ یہ پریشانی آپ کی صلاحیتوں کو دباتی ہے اگر اس سے چھٹکارا پالیں تو آپ زیادہ بہتر انداز سے حال میں محنت کر سکتے ہیں۔

ہم مستقبل کا حال اس لیے جاننا چاہتے ہیں کہ آئندہ آنے والے حالات کے بارے میں پیش بندی کر لیں۔ ہم کسی آنے والے واقعے کو پہلے سے معلوم کر لیں ایسا کوئی علم غیب کسی انسان کو اللہ نے نہیں دیا۔ علم غیب صرف اللہ کے پاس ہے اور ابھی کبھی کسی انسان کو ضرورت کے مطابق یہ علم کسی بھی ذریعے سے عطا کر سکتا ہے۔

﴿وَمَا كُنَّا اللَّهُ يَظِيْعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ

يَشَاءُ﴾ (سورۃ آل عمران: آیت ۱۷۹)

”یہ اللہ کا طریقہ نہیں کہ تم کو غیب کے بارے میں مطلع کر دے غیب کی باتیں بتانے کے لیے تو وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔“

اور پھر گرت پ آئے والے واقعے کو بدل سکیں تو پھر اس کا مطلب ہے۔ یہ واقعہ ہونے والا ہی نہیں تھا۔
 کیونکہ جو اللہ نے نہایت وہ کسی بھی مخلوق کی طاقت سے یا بہتے کرات بدل سکے۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے
 کہ اگر ہم کسی شے کو بدلنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو پھر اللہ تعالیٰ انسان کو بھی سمجھا رہی ہے اس کے بارے
 میں پیشگی علم کیوں دیتا ہے۔ پھر وہ مطابق اللہ تعالیٰ انسان کو مستقبل کے اس واقعے کے بارے میں آگاہی
 دیتا ہے جس کو اس نے سمجھا ہی اس ارادے سے تھا کہ اس کو بدل سکے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے مستقبل میں آنے والے واقعات کے نشان ہمارے حال میں رکھ دیئے ہیں۔
 اگر ہم محنت کریں تو ہمارے حال بدلے گا اور پھر یہ نشانیاں بھی بد میں آئی اور ان طرح مستقبل خود بخود بہتر ہو
 جائے گا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِلَّا مَا نَعْلَمُ (سورۃ النجم آیت ۳۹)

”یعنی راز صرف اور صرف حال میں ہے۔“

اپنی صلاحیتوں پر اعتماد

انسان کے اندر خدا نے قوی صلاحیت رکھی ہے اگر انسان کو اس کا حق ارادہ ہو جائے تو ہر انسان معجز
 العقول کا رہنا انجام دے سکتا ہے۔ یہ ہمارے نظم تعلیم کی خامی ہے۔ بہت کم دکان اس سے گذرنے کے
 بعد اپنی صلاحیت کا احساس حاصل کر پاتے ہیں۔

بیس ہزاروں نوپیداشی جینی معجزاری کی وجہ سے مدین نے یتیم خانے میں داخل کروا دیا۔ اس کے
 استاد نے اسے ہمت دلائی اور اس میں آگے بڑھنے کی ہمت پیدا کی۔ اس نے ہزاروں سے کہا ”کسی اور کی
 تمہارے بارے میں رائے تمہاری صلاحیتوں کو متعین نہیں کر سکتی۔ تم نے خود اپنی راہ متعین کرنی ہے اور لوگوں
 کی اپنے بارے میں رائے کو غلط ثابت کرتا ہے۔“

استاد کی ہمت افزائی سے ہزاروں میں آگے بڑھنے کی ہمت پیدا ہوئی اور اس نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور
 ماہر تعلیم اور ٹرینر بن گیا۔ آج امریکہ میں اس کے پاس کامیاب تعلیم دینی اور نہیں ہے۔ وہ 2 ہزار ڈالر فی گھنٹہ
 معاوضہ وصول کرتا ہے۔

اگر آپ ان کامیاب افراد، جو کسی بھی استطاعت میں، نیکی تاریخ پر اثر انداز ہوئے، کی زندگی کا
 مطالعہ کریں تو آپ کو احساس ہوگا کہ ان میں سے ہر شخص چاہے وہ قائد اعظم ہوں یا کوئی اور مشہور عالمی
 رہنما، یا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال لے لیں۔ ان میں سے ہر شخص نے جب جدوجہد شروع کی تو وہ تنہا ہی

تھا۔ اور ہر وہ شخص جو کوئی نئی ایجیڈر نے میں کامیاب ہوا آغاز میں اسے بھی لوگوں کے استہزاء کا نشانہ بننا پڑا۔ ان کو بھی اس وقت کے لوگوں نے وقت اور پیسے کے ضیاع کا مرتکب قرار دیا۔ لیکن ان میں سے ہر شخص نے صرف اور صرف اپنی محنت اور لگن سے نہ صرف لوگوں کے ازام کو غلط ثابت کیا بلکہ وہی لوگ بعد میں ان کی حمایت پر بھی مجبور ہوئے۔ انسان اُمر حالات کی ناسازگاری اور مواقع کی کمی کی شکایت کرنے کی بجائے ہمت اور حوصلے کے ساتھ کسی مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد کرے تو بالآخر کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔ جبکہ نامساعد حالات کا رونما ہونے والے سازگار حالات میں بھی کوئی قابل ذکر کارنامہ انجامی نہیں دے پاتے۔

یاران حیر گام نے محمل کو جالیا

اور ہم محو مالہ جس کارواں رہے

ایب انگریزی کہوت ہے "نفاذ فی صدنا کئی ان دؤں کے سبب ہوتی ہے جو کام نہ ہونے کی تاویلات دینے کے عادی ہوتے ہیں۔"

محض اتفاق

پاولو کے بقول دنیا میں محض اتفاق نام کی شے کا کوئی وجود نہیں ہے۔ سب کچھ خالق کائنات کی طرف کی منصوبہ بندی کے مطابق انجام پاتا ہے۔ بعض اوقات آپ کو اپنی محنت کا صلہ نہیں ملتا اور آپ مایوسی اور قنوطیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لیکن کبھی آپ نے غور کیا ہے کہ آپ جس واقعے کو محض اتفاق قرار دے کر نظر انداز کر دیتے ہیں وہ شاید آپ کی اس محنت کے صلے میں واقع ہوا ہے جس کا نتیجہ اس وقت نہیں نکلا تھا۔ اللہ تعالیٰ رحمن الرحیم اور عالم الغیب ہے۔ اسے معلوم ہے کہ آپ کے لیے کیا چیز کس وقت درست ہے اس لیے وہ آپ کی محنت کا صلہ تھوڑی دیر کے لیے مؤخر کر دیتا ہے اور آپ کو اپنی محنت کا صلہ چاہے دیر سے ملے، ملتا ضرور ہے۔ اور پھر یاد رکھیے آپ کے معیار کے مطابق ہے جب کہ اس کے مطابق یہی صحیح وقت تھا۔

شہرہ آفاق کتاب "The Power of Positive Thinking" کے مصنف کے مطابق "قدرت ہمیشہ مساوات کے اصول پر عمل کرتی ہے۔ کبھی انسان کو اس کی محنت کا صلہ فوری طور پر نہیں ملتا اور کبھی اس کو اس کی محنت سے زیادہ مل جاتا ہے۔"

محنت

پاولو کے مطابق اکثر انسان مقصد کا ادراک حاصل کر لینے کے باوجود اس کے حصول کی جدوجہد نہیں کرتے کیونکہ:

☆ وہ ناکامی سے خوفزدہ ہوتے ہیں۔

☆ مقصد کے حصول کے لیے درکار محنت سے جی چراتے ہیں۔

☆ مقصد کی صداقت پر غیہ محکم یقین کا فقدان ہوتا ہے۔۔

☆ ناکامی کا خوف اور اپنی صلاحیتوں پر اعتقاد کی کمی انسان کو مقصد کے حصول کی کوشش سے دور رکھتی ہے۔

محنت کامیابی کے لیے بنیادی شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کی مدد اس وقت کرتا ہے جب وہ پہلے اپنی استطاعت کے مطابق بھرپور محنت کر لے۔ فرمان خداوندی ہے

﴿لَا يُعَيِّرُ مَا يَقُومُ حَتَّىٰ يُعَيِّرَ مَا بِتَنْفُسِهِ﴾ (سورۃ الزمر آیت ۱۰)

اللہ تعالیٰ نہ تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی جب تک وہ اپنی حالت کو خود نہ بدلیں۔

کامیابی صرف یہی نہیں ہے کہ آپ منزل پر پہنچ جائیں اور منزل سے چھ پیچھے بھی رہ جائیں اور آپ بغور جائزہ لیں تو آپ اس سفر کے دوران کئی اور منزل حاصل کر چکے ہوتے ہیں جو بھی اے خود ایک کامیابی کا درجہ رکھتی ہیں۔

ہر انسان یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ ہر اس چیز کو حاصل کرے جس کا وہ ارادہ کر لے۔

اللہ نے کسی بھی کامیابی کے حصول کے لیے محنت کو سیدھا مقدر کیا ہے۔

اور پھر رسول نبی رحمہ اللہ کی پوری زندگی جو تمام انسانوں کے لیے مکمل نمونہ ہے اس بات پر شاہد ہے۔ غزوہ بدر کے بعد نازن ہونے والی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس طرح اللہ نے آپ ﷺ کی مدد کے لیے فرشتے نازل کیے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب اللہ نے مسلمانوں کو فرشتوں کی نصرت سے فتح دینی تھی تو پھر آپ ﷺ کو اتنی سختیاں جھیلنے کی کیا ضرورت تھی۔

ایک غزوے کے دوران یہی ختم ہو گیا۔ کئی روز سے بارش نہ ہونے کی وجہ سے پانی کے کنوئیں خشک ہو چکے تھے۔ صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے بارش کے لیے دعا کرنے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے اشکر میں موجود پانی کے تمام برتن لانے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ تمام تر برتن خشک ہو چکے تھے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ پھر بھی پانی کے تمام برتن اور مشکیں آپ کے سامنے لائی جائیں۔ جب برتن اور مشکیں لائی گئی تو آپ نے ان مشکوں کو ایک پیالے میں نچوڑنے کا حکم دیا۔ خالی مشکوں کو جب نچوڑا گیا تو آدھا پیالا پانی نکلا۔

آپ سہانے عین بد پر مومنی طب رت ہو۔ فرمایا
 ”اللہ تعالیٰ انسانوں کی احساس وقت قبول کرتا ہے جب بندہ پہلے اپنی استطاعت کے
 مطابق پوری کوشش کرے اور پھر اللہ سے مدد کی دعا کرے۔“
 تب آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اور موسلا دھار بارش ہوئی۔

انسان کی زندگی کا مقصد

زندگی کا مقصد سمجھنے سے قبل زندگی کی حقیقت سمجھنا ضروری ہے۔

کیا ہماری زندگی اس کے پیٹ سے جنم لینے سے شروع ہوتی ہے اور موت کے بعد ختم ہو جاتی ہے؟
 کسی بھی مذہب کے ماننے والے یا خدا کی ذات کا انکار کرنے والا کوئی شخص اس حقیقت سے انکار نہیں
 کر سکتا کہ انسان اس دنیا میں محدود وقت کے لیے آیا ہے۔ اور ہر مذہب میں اس دنیا میں کیے گئے اعمال کی
 جواب دہی کا تصور بھی موجود ہے۔

چاہے آپ بندہ، زمرے، آؤں، نظر، کونسی لے لیں۔ انسان اپنے اچھے یا برے اعمال کی جزایا
 سزا کے طور پر اپنی موجودہ حالت سے اچھے یا برے روپ میں دوبارہ جنم لے گا۔ اسلام ہمیں اس دنیا کی اصل
 حقیقت سے آگاہی دیتا ہے۔

دنیا میں ہر انسان کو ایک محدود زندگی عطا کی گئی ہے۔ جس کے اختتام پر ہر انسان اپنے خالق کے
 سامنے حاضر ہوگا جہاں اس کے سامنے دنیا میں کیے جانے والے اس کے اعمال رکھے جائیں گے۔ اور ان
 اعمال کی بنیاد پر اس بات کا فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ جنت میں واپس جائے گا یا پھر دوزخ اس کا ٹھکانہ ہوگی۔
 اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہی محض انسان کا عارضی ٹھکانہ اور مقام آزمائش ہے۔

اور کوئی بھی ذی شعور انسان اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ وہ کسی بھی ایسی جگہ جہاں وہ بہت
 تھوڑے وقت کے لیے آیا ہے وہاں وہ بھی ایسا کام نہیں کرے گا جس سے یہ احساس ہو کہ وہ یہاں ہمیشہ
 رہے گا، یا پھر جس سے اس کے وہاں آنے کا مقصد ہی خطے میں پڑ جائے۔

مثلاً بہاول پور سے تعلق رکھنے والا ایک شخص اگر یہاں کی غرض سے لاہور جائے تاکہ اچھی تعلیم حاصل کر
 کے اپنا مستقبل سنوارے۔ لاہور میں وہ صرف اتنا سامان جمع کرے گا جتنا کہ اسے اپنے مختصر قیام کے لیے
 ضروری ہے۔ اور اپنے لاہور میں قیام کے دوران وہ ایسا کام نہیں کرے گا جس سے اس کے مقصد پر زور
 پڑے اور نہ ہی وہ لاہور میں مستقل جا سید ا بنانے میں ملن ہو جائے گا۔ کوئی بھی ایسا اقدام جو مستقل نوعیت کا

ہو وہ اس جگہ پر کرے گا جہاں اس کا مستقل قیام ہے۔

تو پھر عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس دنیا کے لیے بھی اتنی ہی محنت کریں جتنا کہ ہم نے اس دنیا میں رہنا ہے۔ اس دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں اتنی مختصر ہے کہ اس کی آخرت کی زندگی سے کوئی نسبت تناسب ہی نہیں ہے۔ اس زندگی میں انسان کی اوسط عمر جاپان میں ۷۰ سال ہے، یہ وہ یعنی ۹۰ سال ہے، جبکہ آخرت کی زندگی کبھی ختم نہ ہونے والی ہے۔

عقل کا تقاضا ہے انسان اخروی زندگی کو زیادہ اہمیت دے اور دنیا کی عارضی زندگی میں وہ کام کرے جو اخروی زندگی میں کامیابی کا باعث ہوں۔ انسان کے عارضی مقاصد میں اصل کامیابی میں مدد و معاون ہونے چاہئیں۔



لڑکے کا نام سن تیا گوتھا۔ جب وہ متروک چرچ کے پاس پہنچا تو شام ڈھل چکی تھی۔ اس چرچ کی چھت عرصہ ہوا گر چکی تھی۔ اور جہاں کبھی پارٹی کا منبر ہوتا ہو گا وہ جگہ انجیر کے ایک بہت بڑے درخت نے لے لی تھی۔

لڑکے نے وہ رات اسی جگہ پر گزارنے کا فیصلہ کیا۔ جب تمام بھیڑیں شکستہ دروازے سے گزر گئیں تو اس نے دروازہ بند کر کے اس کے آگے ایک تختہ لگا دیا تاکہ رات کے وقت بھیڑیں باہر نہ نکل سکیں۔ اس علاقے میں بھیڑیوں کا خطرہ تو نہیں تھا لیکن ریوز سے بچھڑی ہوئی بھیڑ کو ہونڈنا بذات خود تمہکا دینے والا کام تھا۔

لڑکے نے اپنی جیکٹ سے فرش صاف لیا اور کتاب کا تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔ اس نے آٹھ یہ کتاب ختم کرنی تھیں۔ اس نے سوچا کہ اب اس کتاب کے بدلے میں زیادہ ضخیم کتاب یعنی چارپے تاکہ اس کو پڑھنے میں زیادہ وقت گزرے اور اس کا تکیہ بھی بہتر بن سکے گا۔

جب وہ صبح کے وقت جا کا تو ابھی تک اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ٹوٹی ہوئی چھت میں سے ستارے جھانک رہے تھے۔

”مجھے تھوڑا اور سونا چاہیے تھا۔“ اس نے دل میں سوچا۔ آج رات پھر اس نے وہی خواب دیکھا تھا جو اسے ایک ہفتہ قبل نظر آیا تھا مگر خواب آج بھی احوال تھا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ان بھیڑوں کو اٹھنا شروع کر دیا جو ابھی تک نہیں اٹھی تھیں۔ جب بھی وہ جاگتا تھا اس کی زیادہ تر بھیڑیں بھی جاگ جاتی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی غیر مرئی قوت سے وہ اور اس کی بھیڑیں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ آخر کیوں نہ ہو اس نے ان بھیڑوں کے ساتھ دو سال گزارے تھے۔ اور ان کے ساتھ جنگلوں بیابانوں میں چارے اور پانی کی تلاش میں مارا مارا پھرتا تھا۔ بھیڑیں اب اس کے ساتھ اتنی مانوس ہو گئی تھیں کہ اس کے اوقات کار کا بھی انہیں اندازہ ہو گیا تھا۔

”یا پھر میں ان کے اوقات کار کا عادی ہو گیا ہوں۔“ اس نے سوچا۔

کچھ ایسی بھیڑیں بھی تھیں جو جاگنے میں ذرا وقت لگاتی تھیں۔ انہیں جگانا پڑتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بھیڑیں اس کی زبان سمجھتی تھیں۔ اس لیے وہ کبھی کبھی کتاب میں سے کچھ تحریر انہیں پڑھ کر سناتا تھا اور انہیں



اپنے دکھ درد بھی سناتا تھا اور انہیں اپنی تنہائی میں شریک کرتا۔ وہ ان کے سامنے اس گاؤں پر بھی تبصرہ کرتا جہاں سے وہ گزرتے تھے۔

لیکن پچھلے چند دنوں سے وہ اپنی بھینوں کے ساتھ صرف ایک موضوع پر بات کر رہا تھا۔ ایک ”دو شیر ذ“ جو ایک تاجر کی بیٹی تھی جو اس گاؤں میں رہتا تھا جس تک پہنچنے کے لیے انہیں مزید چار دن درکار تھے۔

اس گاؤں میں اس سے پہلے وہ ایک دفعہ ایک سال قبل آیا تھا۔ تاجر اون کا کاروبار بھی کرتا تھا۔ وہ انتہائی شکی مزاج تھا۔ اس کا مطبہ ہوتا تھا کہ بھینوں کی نظر اس کے سامنے اُتاری جائے۔ وہ اس تاجر کے پاس اپنے ایک دوست کے توسط سے پہنچا تھا۔ اس روز دکان پر رش تھا۔ اس لیے لڑکے کو انتظار کرنا پڑا۔ وہ دکان کی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا اور اپنے تھپے میں سے کتاب نکال کر پڑھنے لگا۔

”مجھے نہیں معلوم تھا کہ چرواہے بھی پڑھنا جانتے ہیں۔“ عقب سے لڑکی کی متزنم آواز آئی۔

لڑکی اندلس کی بے مثال خوبصورتی کا مکمل نمونہ تھی، سیاہ لہراتے بال۔ اور گہری خوبصورت آنکھوں میں عرب نقوش کی جھلک تھی۔

”جی ہاں! لیکن میں نے کتاب کی نسبت اپنی بھینوں سے زیادہ سیکھا ہے۔“ اس نے جواب دیا۔

اگلے دو گھنٹے تک وہ ایک دوسرے کو اپنے حالات سناتے رہے۔

”تم نے پڑھنا کیسے سیکھا؟“ لڑکی نے استفسار کیا۔

”جیسے سب پڑھنے والے سیکھتے ہیں سکول میں۔“

”اگر تم پڑھنا جانتے ہو تو تم بھینوں کیوں چراتے ہو؟“ لڑکا کچھ بڑبڑایا تاکہ لڑکی کچھ نہ سمجھ سکے۔

وہ لڑکی کو اپنے سفر کی کہانیاں سناتا رہا۔ جنہیں سن کر لڑکی کی گہری آنکھوں میں حیرت اور خوف کا ملحد تاثر تھا۔ لڑکا دعا مانگ رہا تھا کہ وقت تھم جائے یا پھر لڑکی کا باپ مزید مصروف ہو جائے اور اسے لڑکی کے ساتھ کچھ مزید وقت گزارنے کا موقع مل جائے لیکن اس کی دونوں دعائیں قبول نہ ہوئیں اور تاجر نے اسے چار بھینوں کی اون اتارنے کو کہا۔ جب وہ فارغ ہوا تو بیوپاری نے اسے پیسے دیتے ہوئے کہا کہ وہ اگلے سال پھر آئے۔



اور اب چاروں بعد وہ دوبارہ اس گاؤں میں ہوگا۔ وہ اس بات پر مسرور بھی تھا لیکن اس کے دل کے کسی خانے میں خوف بھی چھپا ہوا تھا کہ کہیں لڑی اسے جس میں نہ جی ہو۔ آخر اس کے علاوہ اور بھی بہت سے چرواہے وہاں سے گزرتے ہوں گے۔

”مجھے اس کی زیادہ فکر بھی نہیں ہے۔“ اس نے اپنی بیٹیوں سے کہا۔
 ”میں اور بھی کئی لڑکیوں کو جانتا ہوں۔“

لیکن اس کا دل اس کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ ابھی تک تاجری دکان کی میزھیوں پر اٹکا ہوا تھا۔ چرواہوں، پھیری والوں اور ملحوں کے دل میں نہ نہیں نہ رائے ہوتے ہیں۔ میں نہ نہیں کوئی ایسا ضرور ہوتا ہے جس کے ساتھ ان کا دل ہوتا ہے جو ان سے ان کی خواتین اور سیاحت کا طف جھین جتا ہے۔ سورج نکلنے والا تھا اس نے اپنے ریڈیو مشرق کی طرف مڑا۔ ”انہیں ابھی فیصد کرنے کی وقت نہیں اٹھانا پڑتی۔ شاید اسی لیے یہ میرے اتنا زیادہ رنجیت رہتی ہیں۔“ اس نے دل میں سوچا۔

”صرف چارے اور پانی کا حصول ہی اس کی زندگی کا مقصد ہے۔ جب تک میں انہیں اندس کی بہترین چراگاہوں میں لے جاتا رہوں گا، یہ میرے ساتھ رہیں گی۔ ان کے دن ہمیشہ ایک جیسے ہوتے ہیں، طویل اور نہ ختم ہونے والے۔ نہیں صرف چارے اور پانی سے مطالب ہے اور بدلے میں وہ نہایت سخاوت سے ہر سال ان دیتی ہیں اور زندگی میں ایک بار موت بھی۔ اگر میں ان کو ایک ایک کر کے ذبح کرنا شروع کر دوں تو ان کو اس وقت احساس ہوگا جب میں آٹے سے زیادہ ریڈیو ذبح کر چکا ہوں گا۔ یہ اپنی جہت پر انحصار کرنا بھول گئی ہیں۔ وہ جہت جو انہیں خطے سے آٹا ہوتی ہے یہ مجھ پر اس لیے بھروسہ کرتی ہیں کیونکہ میں انہیں اٹاتا اور پلاتا ہوں۔“ لڑکے اپنی سوچ زچہ سے ہوتی۔

شاید یہ بیابان چرچ کا اثر تھا کہ اس کی سوچ میں اس قدر قنوطیت آگئی تھی۔

اس چرچ کے قریب اس نے دوبارہ وہ خوب بھی دیکھا تھا، شاید یہ اسی چرچ کا ہی اثر تھا کہ اسے بھیڑوں پر جھنجھلاہٹ ہو رہی تھی۔

اس نے جھنجھلاہٹ دور کرنے کے لیے پانی پیا۔ اپنی جینٹ کو جسم کے گرد دس کر پیٹ دیا۔ لیکن اسے

یہ جیکٹ بھی بوجھ لگ رہی تھی۔

”اس بوجھ کو اس وقت تک اٹھانا پڑے گا جب تک سورج اپنے عروج پر نہ پہنچ جائے۔ پھر گرمی اتنی بڑھ جائے گی کہ مزید سفر جاری رکھنا ممکن نہیں ہوگا۔“ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب تمام سپین قبولہ کرتا ہے۔ گرمی کی شدت شام ڈھلنے تک جاری رہتی تھی۔ معاہدے اس جیکٹ کی افادیت کا خیال آیا۔ اس کی وجہ سے وہ صبح کی خنکی کا سامن کر پایا تھا۔

”جیکٹ کا بھی ایک مقصد تھا۔ جیسا کہ اس کی زندگی کا مقصد تھا۔“

اس کی زندگی کا مقصد تھا یہ حست۔ سپین میں دو سال تک آوارہ گردی کرنے کے بعد اسے تمام شہروں اور قصبوں کا حدود اور بعد معلوم ہو گیا تھا۔ اس وفد اس کا ارادہ تھا کہ وہ تاجر کی بیٹی کو بتائے گا کہ ایک چرواہا ہے نے لکھنا پڑھنا کیسے سیکھا۔

سولہ سال کی عمر تک اس نے مدر سے میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے والدین کی خواہش تھی کہ وہ پادری بنے تاکہ پورا خاندان اس پر فخر کر سکے۔

وہ خود سخت محنت کرتے تھے، صرف دو وقت کی روٹی کے لیے بالکل اس کی بھیڑوں کی طرح۔ اس نے مذہبی تعلیم کے ساتھ ہسپانوی اور۔ طینی زبان سیکھی لیکن بچپن سے ہی اس کی خواہش تھی کہ وہ دنیا کی سیر کرے۔ یہ مقصد اس کی نزدیک خدا کو جاننے اور پادری بننے سے زیادہ اہم تھا۔ ایک دوپہر اس نے اپنی تمام تر جرات جمع کر کے اپنے باپ کو اپنی اس خواہش سے آگاہ کیا۔

”ہمارے گاؤں میں پوری دنیا کے سیاح آتے ہیں۔ وہ کسی نئی چیز کی تلاش میں آتے ہیں اور جب واپس جاتے ہیں تو بالکل ویسے ہی ہوتے ہیں جیسا کہ وہ یہاں آنے سے پہلے تھے۔“ اس کے باپ نے اسے سمجھتے ہوئے کہا۔

”وہ اس پہاڑ پر چڑھنے کی مشقت صرف اس لیے بھیلے ہیں۔“ اس کے باپ نے پہاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

”تاکہ وہ جھیل کا نظارہ کر سکیں اور جب وہ یہاں سے جا رہے ہوتے ہیں تو ان کا خیال ہوتا ہے کہ ماضی حال سے کتنا بہتر تھا۔ ان کے چاہے سنہرے بال ہوں یا وہ گندمی رنگت کے ہوں، ہوتے وہ ہمارے جیسے انسان ہی ہیں اور جہاں وہ رہتے ہیں وہ جگہ بھی ہماری اس زمین جیسی ہی ہے۔“

”لیکن میں پھر بھی ان کے شہروں کو دیکھنا چاہتا ہوں جہاں وہ رہتے ہیں۔“ لڑکے نے اصرار کیا۔

”ان کی خواہش ہوتی ہے کہ کاش وہ ہمارے خوبصورت علاقے میں ہمیشہ رہ سکتے۔“ باپ نے کہا۔

”مگر میں ان کا علاقہ اور ان کی بود و باش دیکھنا چاہتا ہوں۔“ لڑکے نے جواب دیا۔

”مگر سیاحت کے لیے تو کافی پیسہ درکار ہوتا ہے اور ہمارے پاس صرف دو وقت کی روٹی ہے۔

ہمارے ہاں تو صرف چرواہے نئی چراگا ہوں کی تلاش میں سیاحت کر سکتے ہیں۔“ باپ نے بیٹے کو سمجھانے کی آخری کوشش کی۔

”تو پھر میں چرواہا ہوں گا تاکہ اپنے ریوڑ کو پورے پین میں لیے یہ پھروں۔“ لڑکے نے فیصلہ کن

لہجے میں جواب دیا۔ باپ نے بھی مزید بحث کرنا فضول سمجھا۔

اگلے دن اس کے باپ نے اس کے سامنے سونے کے تین سکے رکھے۔

”یہ مجھے کئی سال قبل راستے سے ملے تھے میں نے اس لیے سنبھال کر رکھ دیئے کہ ایک دن تمہارے

کام آئیں گے۔ اب تم ان سے بھیڑیں خرید لو اور اپنا شوق پورا کرو مگر ایک دن تمہیں احساس ہوگا کہ تم جس علاقے کو چھوڑ کر جا رہے ہو وہ دنیا کا سب سے خوبصورت علاقہ ہے۔“

جب اس کا باپ اسے اپنی دعاؤں سے رخصت کر رہا تھا تو اسے اپنے باپ کی آنکھوں میں بھی ایک دہلی ہوئی خواہش نظر آئی۔ دنیا دیکھنے کی خواہش۔

اس نے اس خواہش کو دبائے میں عمر گزار دی تھی مگر وہ خواہش اب بھی اس کی آنکھوں سے عیاں تھی۔

یہ خواہش دو وقت کی روٹی کی تلاش کے نیچے دبی ہوئی ضرور تھی مگر ابھی تک زندہ تھی۔



فلک پر صبح کی سرخی کے پیچھے سے سورج آہستہ آہستہ نکل رہا تھا۔ لڑکا اپنے اور باپ کے درمیان ہونے والی بحث کو یاد کر رہا تھا۔ وہ اپنے فیصلے پر مطمئن تھا۔ اب تک وہ کئی خوبصورت مقامات سے گزرا تھا اور اس کی ملاقات کئی لوگوں سے ہوئی جن سے اس نے بہت کچھ سیکھا تھا۔ وہ بہت سی عورتوں سے بھی ملا۔ مگر ان میں سے کوئی بھی اس جیسی نہیں تھی جس سے اس نے چند دن بعد ملنا تھا۔

اس کے پاس بھیڑوں کا ریوڑ تھا۔ ایک کتاب تھی جس کے بدلے میں وہ ایک اور کتاب خرید سکتا تھا اور ایک جیکٹ تھی جو اسے سردی کی شدت میں راحت بخش حرارت دیتی تھی لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ہر

روز اپنے خواب کی تعبیر میں گزارتا تھا... سیاحت کا خواب۔

یہ خواب اس کے لیے دنیا و بہ دنیا، قیمتی تھا۔ اگر پہلین کی سیاحت سے اس کا دل بھر گیا تو وہ اپنا گلہ بیچ کر سمندروں کے کنارے پر نکل جائے گا۔ جب تک اس کا دل سمندر کی وسعتوں سے بھرے گا تو اس وقت تک وہ کئی مزید شہر دیکھ چکا ہوگا۔ بہ تاروؤں سے مل چکا ہوگا اور اس کے پاس کئی حسین یادوں کا خزانہ ہوگا۔ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ اس راہ پر نہ پے جہاں سے ایک بار گزر چکا ہو۔ اس متردک چرچ سے اس کا گزر اس سے قبل نہیں ہوتا تھا۔ دنیا بہت وسیع تھی۔ ہر بار اس کا گزر کسی نئی جگہ سے ہوتا تھا جو اس سے قبل آنے والی جگہوں سے زیادہ خوبصورت ہوتی تھیں۔

بھینوں کو آج تک اس بات کا اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ نئی جگہ سے گزر رہی ہیں یا وہی پرانا راستہ ہے۔ انہیں اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہے کہ چراگاہ نئی ہے، یا بہار نے خزاں کی جگہ لے لی ہے۔ ان کی زندگی کا مقصد صرف اور صرف چارے اور پانی کا حصول ہے۔

”شید میں بھی ان بھینوں سے مختلف نہیں ہوں۔ لڑکے نے سوچا۔

”جب سے میں تاجری بنی سے مدد ہوں، مجھے بھی کسی اور بڑی کا خیال اچھا نہیں لگا۔“

سورج کو دیکھ کر اس نے اندازہ کیا کہ دوپہر تک وہ طرفہ پہنچ جائے گا۔ طرفہ میں وہ اپنی پرانی کتاب کے بدلے مزید ضخیم کتاب لے گا۔ بوتل تارہ پانی سے بھرے گا اور حجامت بھی بنوائے گا تاکہ تاجر کی بیٹی سے ملاقات کے لیے تیار ہو سکے۔

وہ اس خیال کوں میں جکڑنے کے لیے تیار ہی نہیں تھا کہ تاجر نے اب تک اس کی شادی کر دی ہوگی۔

خواب کی تعبیر کے پورا ہونے کا انتظار زندگی کو دلچسپ بنا دیتا ہے۔

اس نے دوبارہ سورج کی طرف دیکھ کر وقت کا اندازہ کیا اور ریوڑ کو ہانکنے لگا تاکہ دھوپ تیز ہونے سے قبل طرفہ پہنچ جائے۔

پھر اسے یاد آیا کہ طرفہ میں ایک بوڑھی عورت رہتی تھی جو خوابوں کی تعبیر بتاتی تھی۔



بڑھی خاتون نرے وایب کمرے میں لے گئی۔ ایک پرہیزگار سے خواب گاہ سے الگ کرتا تھا۔ کمرے میں ایک میز اور دورسیوں کے علاوہ مسیح کی تصویر بھی مڑین تھی۔ بڑھیا نے اسے ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود اس کے سامنے واں کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے نرے کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے اور آنکھیں بند کر کے کوئی دعا پڑھنے لگی۔

نرے وایب محسوس ہوا جیسے وہ خانہ بدوشوں کی مخصوص دعا پڑھ رہی ہو۔ اس کا دل اس سے قبل بھی خانہ بدوشوں سے پڑچکا تھا۔

خانہ بدوش بھی اپنی زندگی سفر میں گزارتے ہیں مگر ان کے پاس بھینوں کا ریون نہیں ہوتا۔ خانہ بدوش لوگوں کو مختلف کرتب دکھائے پیرے بٹرتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ تاثر بھی پایا جاتا تھا کہ وہ خراکاری بھی کرتے ہیں۔ خانہ بدوش بچوں کو اغوا کر کے ان سے بھیگے مٹلاتے ہیں۔ بچپن میں اسے خانہ بدوشوں سے بہت خوف آتا تھا۔ جیسے ہی اس بڑھیا نے نرے کا ہاتھ پکڑا بچپن کا خوف دوبارہ لوٹ آیا۔

”لیکن اس کے گھر میں مسیح کی تصویر اس بات کی علامت ہے کہ یہ بری عورت نہیں ہے۔“ اس نے اپنے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ وہ وحش کر رہا تھا کہ عورت کو اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ سے اس کے اندرونی خوف کا اندازہ نہ ہو۔

”دلچسپ۔“

بڑھیا نے اپنی نظریں نرے کی تتلیوں پر جماتے ہوئے کہا۔

نرے کا زور ہونے لگا۔ اس کے ہاتھ کاپنے لگے۔ بڑھیا کو بھی اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ کا احساس ہو گیا۔ لڑکے نے یک دم اپنے ہاتھ چھڑا لیے۔

”میں تمہارے پاس اپنا ہاتھ دکھانے نہیں آیا۔“ لڑکے نے بڑھیا کو مخاطب کیا۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ وہ یہاں کیوں آیا۔

ایک لمحے کے لیے اس نے سوچا کہ وہ بڑھیا کی فیس ادا کرے ورنہ اس سے اپنے خواب کی تعبیر معلوم کیے بغیر چلا جائے۔

”تم یہاں اپنے خواب کی تعبیر جاننے کے لیے آئے ہو۔“ بڑھیا نے کہا۔ ”اور خواب خدا کا کلام ہے۔ اگر خدا ہم سے ہماری زبان میں کلام کرے تو میں اس کی تعبیر بتا سکتی ہوں لیکن اگر خدا روح کی زبان میں بات کرے تو صرف وہی اس کا مفہوم جان سکتا ہے جس سے کہ خدا نے کلام کیا ہے۔“

”اگر تم مجھ سے مشورہ کرے تو میں تم سے فیس بہر حال لوں گی۔“

”ایک اور رتبہ“ لڑکے نے سوچا۔ پھر بھی اس نے سوچا کہ ایک چانس لیا جائے۔ چانس لینا چرواہے کی جہلت میں شامل ہوتا ہے۔ وہ بھیڑیوں کے ساتھ چانس لیتا ہے۔ اور پھر خشک سالی کے ساتھ بھی۔ اور یہی چانس چرواہے کی زندگی کو دوسروں کی زندگی سے مختلف اور دلچسپ بناتا ہے۔

”میں نے ایک ہی خواب دوبارہ دیکھا ہے۔“ لڑکا بولا۔

”میں نے دیکھا کہ میں چراگاہ میں ہوں اور ایک بچہ آتا ہے اور بھیڑوں کے ساتھ کھین شروع کر دیتا ہے۔ میں مردوں کو ایسا نہیں کرنے دیتا کیونکہ بھیڑیں مردوں سے خوفزدہ ہو کر بھگنے لگتی ہیں لیکن وہ بچوں سے خوفزدہ نہیں ہوتیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ جانوروں کو انسانوں کی عمر کا کس طرح سے احساس ہو جاتا ہے۔“

”مجھے اپنے خواب کے بارے میں مزید بتاؤ۔“ بڑھیا بولی۔

”میں نے کھانا پکانا ہے اور تمہارے پاس میری فیس کے لیے پورے پیسے بھی نہیں ہیں اس لیے میں تمہیں زیادہ وقت نہیں دے سکتی۔“

”بچہ کافی دیر تک میری بھیڑوں کے ساتھ کھیلتا رہا۔“ لڑکے نے اپنی بات دوبارہ شروع کی۔

”اچانک بچے نے مجھے میرے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اچھالا اور مجھے اہرام مصر پر پھینک دیا۔“

اس نے توقف کیا تاکہ جان سکے کہ بڑھیا کو اہرام مصر کا کچھ اندازہ تھا کہ نہیں لیکن بڑھیا خاموش رہی۔

”پھر اہرام مصر پر“

اس نے لفظ ”اہرام مصر“ ٹھہر ٹھہر کر اور کھینچ کر ادا کیا تاکہ بڑھیا سمجھ سکے۔

”بچے نے مجھ سے کہا۔“ اگر تم یہاں آؤ تو تمہیں ایک خزانہ مل سکتا ہے۔“ لیکن جیسے ہی وہ مجھے خزانے

کی جگہ دکھانے لگا ہے میری ”کٹھن کھل جاتی ہے۔“

بڑھیا کچھ دیر تو خاموش رہی۔ پھر اس نے لڑکے کا ہاتھ دوبارہ اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کی ہتھیلیوں کو غور

سے دیکھنے لگی۔

”میں تم سے ابھی کوئی فیس نہیں لوں گی۔ اگر تمہیں خزانہ مل گیا تو تم مجھے اس کا سوال حصہ دو گے۔“

لڑکا خوشی سے بننے لگا۔ خزانہ ملنے کی خوشی نہیں بلکہ بڑھیا کی فیس ادا نہ کرنے کی خوشی۔
”ٹھیک ہے مجھے خواب کی تعبیر بتاؤ۔“ اس نے کہا۔

”پہلے تم قسم اٹھاؤ کہ جب تمہیں خزانہ ملے گا تو مجھے اس کا سوا حصہ دو گے۔“ لڑکے نے بل جھجک قسم کھائی کہ وہ اپنے وعدے پر قائم رہے گا۔

”یہ خواب اگرچہ خدا کا تم سے کلام ہے ہماری دنیاوی زبان میں۔ لیکن اس کی تعبیر کرنا مشکل ہے اس لیے میں سمجھتی ہوں کہ میں خزانے کا سوا حصہ لینے میں حق بجانب ہوں۔“

”تعبیر یہ ہے کہ تم ابراہام مصر پر جاؤ۔ اور چہ میں نے ان ابراہام کے بارے میں اس سے قبل نہیں سنا لیکن اگر یہ تمہیں ایک بچے نے بتایا ہے تو پھر یہ حقیقت ہے۔ یونکہ بچے بھٹ نہیں بولتے۔ ابراہام مصر پر تمہیں خزانہ ملے گا جو تمہیں دنیا کا امیر ترین آدمی بنا دے گا۔“

لڑکے کو پہلے تو حیرانی ہوئی اور پھر جھجکا ہٹ ہونے لگی۔ اسے صرف یہ جاننے کے لیے بڑھیا سے بات کرنے کی کیا ضرورت تھی یہ تو وہ پہلے بھی جانتا تھا۔ اس کی تنجھکا ہٹ اس خیال سے دور ہو گئی کہ بہر حال اسے کوئی فیس ادا نہیں کرنا تھی۔

”مجھے اس کے لیے اپنا وقت برباد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے بڑھیا کو جواب دیا۔
”میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہارا خواب بہت مشکل ہے۔ کچھ بہت ہی سادہ چیزیں سب سے مشکل ہوتی ہیں۔ صرف زیرک انسان ہی انہیں سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اور مجھے قطعاً یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں بہت زیرک ہوں اس لیے مجھے ہاتھ کی تحریر پڑھنا بھی سیکھنا پڑی تاکہ میں اس سے مدد دے سکوں۔“
”ٹھیک ہے میں ابراہام مصر تک جیسے پہنچ سکتا ہوں؟“ اس نے استفسار کیا۔

”میں صرف خوابوں کی تعبیر بتا سکتی ہوں۔ میں اس قبیہ کو ہونڈ نے لے لے یہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی اگر میں خوابوں کی تعبیر دھونڈ سکتی تو سمیری کی زندگی کیوں گزار رہی ہوتی؟“
”اگر میں ابراہام مصر تک کبھی پہنچ ہی نہ سکوں تو پھر کیا ہوگا؟“
”تو پھر مجھے میری فیس نہیں ملے گی۔ اور ایسا پہلی دفعہ بھی نہیں ہوگا۔“

خاتون نے اس کے ساتھ ہی لڑکے کو جانے کو کہا۔ یونکہ اس نے پہلے ہی خاتون کا بہت زیادہ وقت لے لیا تھا۔

لڑکے کو بہت ہی مایوسی ہوئی۔ اس نے سوچا کہ وہ پھر بھی خوابوں پر یقین نہیں کرے گا۔ اسے یاد آیا

کہ طرف میں اس نے بہت سے اور بھی رکے تھے۔ وہ مدنی سے بازو طرف رخ کیا جہاں اس نے
چبوتا پیہ چڑھا، حیدر پور پٹی پر اس کتاب کے مے میں یہ مٹائی ہی کتابوں۔ ان تمام کاموں
سے فوراً سمجھا کہ وہ ایک نئی چیز تھی۔ تاہم پھر رہا غور کرتے۔

دھوپ میں بھی تک شدت تھی۔ س نے اپنی باتیں سن کر پانی پینے لگا۔ س نے بھیڑیوں شہر کے صدر دروازے کے قریب ایک دوست کے ہاڑے میں بند رہائی نہیں۔ شہر میں دیکھ کر ہی س نے واقف تھے۔ سباحت۔ بہت بڑے فوائد ہوتے ہیں۔ ایک یہ تھا کہ دورے چین میں کافی لوگ یہ تھے جنہیں وہ دوست کہہ سکتا تھا۔ وہ ہمیشہ نئے دوست بناتے رہے۔ ساتھ ہمیشہ رہنے کے ریزرت تھا۔ اس کے خیال میں جب آپ کسی کے ساتھ رہیں گے تو آپ اس شخص کی زندگی کا حصہ بن جاتے ہیں اور ان کی زندگی چھوٹی خامیاں آپ کو برت سکتے ہیں۔ چھاپ پڑتے ہیں کہ وہ شخص اپنے آپ کو بدس۔ اس کی شخص اس طرح کا نہیں ہے جیسا کہ سب پوچھتے ہیں تو آپ کو سمجھ جائے کہ وہ کتنا ہے۔ ہر شخص اس بات کا قائل ہے کہ وہ اس کا دیکھنا چاہیے۔ مگر وہ اس احساس سے عاری ہیں کہ خود اس شخص سے برتر نہ ہو سکیں۔

اس کار کا تھا۔ شرم سے وقت جب کتاب کی شدت ہو جائے تو وہ اپنے ریڑھ پر چرگامیں لے جائے گا۔ اس نے کتاب بکنا اور پڑھنا شروع کیا۔ کتاب کے پہلے صفحے پر ترقیوں کا منظر تھا۔ لوگوں کے نام بہت مشکل تھے۔ اس نے وہ پکا کر لیا۔ اسی اس نے کتاب پائی تو اس میں اسے سردار رکھ گاتا کہ بڑھنے والے بہت سے نام یاد رکھنے کی وقت نہ آئی۔

آخر در باب ۱۰ کتاب ریاضی قیاسیہ میں کامیاب ہو گیا تو کتاب سے وچسپ لگی۔ تدفین کے دن برف باری ہو رہی تھی۔ روضہ سوپ میں سوائی کا آٹا پکھنڈا تھا۔ کبھی اس سے پڑھنا شروع نہ کیا تھا کہ یہ بڑھاپا آئی اس کے قریب آتا تھا۔ یہ صاف ملتا تھا کہ بڑھاپا اس سے بات چیت شروع کرنا چاہتا تھا۔

”یہ نوک یا زبرجے ہیں“۔ وڑھے نے ایک تدریسی طر ف اشارے کرتے ہوئے لڑکے سے پوچھا۔
 ”کام کر رہے ہیں“۔ اس نے شک سے متنبہ ہو کر جواب دیا تاکہ وڑھے کو معصوم ہو جائے کہ اسے وڑھے
 سے بات کرنے کی نوبت کتاب پر جتنے ہیں، یہ دہانتہی نہیں۔ اصل میں وہ سوچ رہا تھا کہ اس دفعہ وہ تاجر کی بیٹی
 کے سامنے بھیج دیں جو ان کے ساتھ ساتھ اس پر یہ بات کہنے کے لئے وہ مشکل سے متحمل کام کرنے کے

قابل ہے۔ وہ خود اپنی باتیں کرتے ہوئے اکثر تسمیہ میں مبتلا رہتا تھا۔ سب اس نے تاجروں جیسی باتیں کہیں بھی نہ سنی تھیں۔ اس نے کون جیسے سے اس طرف اشارہ کیا جاتی تھی۔ اس وقت مکتوبوں کی اور یہ اسے بہت اچھا لگا۔

اس نے چند مہینوں بھی مٹش سے گزار دی تھیں۔ یہ مہینوں وہ اس کی دیکھنا چاہتا تھا۔ یہ کہانیاں اس نے تلفاتوں میں پرستی تھیں۔ وہ ان کہانیوں کو اپنے آپ کے پھوڑے طور پر پیش کرنا چاہتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ تاجروں جیسی حقیقت سے کسی کو معلوم نہ ہوئے۔ یہ وہ وہ پڑھنا نہیں جانتی تھی۔ بوڑھا بھی اپنی ضد کا پکا تھا۔

”یہ میں یہی باتیں سے تھوڑے مہینوں کے مابین۔ بوڑھے نے کہا۔
اگر اسے اپنی باتوں کو دیکھتے ہو تو اسے اسے امید تھی۔ اب بوڑھا اسے تنہا چھوڑ دے گا۔

”وہ تو کتاب پڑھ رہا ہے۔“ بوڑھا اب بھی اپنی ضد کا پکا تھا۔

مڑے نے سوچا کہ بوڑھے کے بیچا پیراں کا واسطہ دیکھنا یہ سب اس کے لیے تھوڑے سے ہو جائے۔ لیکن یہ اسے تیزی سے خلاف تھا۔ اس نے وہ دیکھنے سے تیزی سے تھک گئی تھی۔ وہ بڑوں کا اب اس کی تعلیم کی تھی۔ اس نے کتاب بوڑھے کے سامنے رکھی۔ وہ انہوں نے کتاب کے نام کا مکتوب بھیجے۔ اس سے معلوم نہیں تھا اور پھر اس کا خیال تھا کہ اسے پورا ہے۔ پورا نہیں آتا تو وہ اسے مندرجہ سے جہاں سے لے گا۔

”ہوں۔۔۔“ بوڑھا کتاب کا بغور مطالعہ کرتے ہوئے یہ بھی کتاب ہے مگر بہت ہی خشک۔“ مڑے کو جھنکا لگا۔ بوڑھا نہ صرف یہ سمجھا جاتا تھا بلکہ اس سے قبل یہ کتاب پڑھ بھی چکا تھا۔ مگر کتاب واقعی سنہ تھی جیسا کہ بوڑھے کا خیال تھا۔ اس نے اسے ابھی بھی وقت تھا کہ اسے دکاندار سے تبدیل کرے۔

”اور اس کا موضوع بھی وہی ہے جو کہ دنیا کی تقریباً تمام کتابوں کا ہے۔“ بوڑھے نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ کتاب اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ انسان اپنی منزل کا انتخاب کیسے کرے؟ اور اس کا آغاز اس بات سے ہوتا ہے کہ انسان کیا سب سے پہلے جھوٹ پر یقین رکھتا ہے۔“

”اور دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ کیا ہے؟“ مڑے نے استفسار کیا۔ وہ واقعی بوڑھے کے مطاعے کی وسعت سے متاثر ہوا۔ ”نیا کا سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ انسان کی زندگی میں ایک لمحہ ایسا آتا ہے جب وہ اپنے حالات پر قہر محسوس کرتا ہے اور اس کی زندگی پر قدرت کا شکار ہوتا ہے۔“

”میرے ساتھ ایسا کبھی بھی نہیں ہوا“ لڑکے نے جواب دیا۔

”بہت خوب۔ ایسا اس لیے ہے کہ تم سیاحت کے شائقین ہو۔“

”اسے تو میرے خیالات تک بھی رسائی ہے۔“ لڑکے نے سوچا۔

بوز حاکم کی ورق رونی میں مصروف تھا، ورنہ اس کا کوئی ارادہ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ لڑکے نے پہلی بار بوز سے وغور سے دیکھا۔ اس کا لباس ٹیب وضع کا تھا۔ لباس سے وہ عربی لگتا تھا۔ لیکن یہ بات کچھ حیران کن بھی نہیں تھی۔ ورنہ، افیقہ سے صرف چند گھنٹوں کے فاصلے پر تھا اور شہر میں اکثر عرب نظر آتے تھے۔

”آپ کا تعلق کس علاقے سے ہے؟“ اس نے بوز سے پوچھا۔

”بہت سارے علاقوں سے۔“ بوز سے نے جواب دیا۔

”کسی شخص کا تعلق ایک وقت بہت سارے علاقوں سے نہیں ہو سکتا۔“ لڑکا بولا۔

”میں خود چرواہا ہوں۔ اس حوالے سے میں بہت سے علاقوں تک گیا ہوں مگر میرا تعلق صرف ایک علاقے سے ہے جہاں میری پیدائش ہوئی تھی۔“

”اس لحاظ سے میرا تعلق سلم سے ہے“ بوز سے نے لڑکے سے ”سلم“ کے بارے میں اس سے سب کچھ نہیں سنا تھا۔ مگر سوال کرنے سے اس نے مزید کیا کہ اس طرح بوز سے اسے علم سمجھے گا۔

اس نے بازار سے گزرتے ہوئے عوام کی طرف دیکھا۔ سب لوگ بہت مصروف نظر آتے تھے۔ ”تو سلم آج کل کیسا ہے؟“ اس نے اس خیاں سے سوال کیا۔ شاید اس طرح اسے سلم کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔

”سلم بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ ہمیشہ سے تھا۔“ بوز سے نے جواب دیا۔

اسے بوز سے کے جواب سے مایوسی ہوئی، کوئی اشارہ نہیں مل رہا تھا کہ سلم کہاں ہے۔ یہ تو اسے معلوم تھا کہ سلم۔ اندس کے گرد و نواح میں نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو اس نے سلم کا ذکر ضرور سنا ہوتا۔ ”اور آپ سلم میں کیا کرتے ہیں؟“ اس نے ہمت نہ ہاری۔

”میں سلم میں کیا کرتا ہوں؟“ بوز سے بولا۔

”میں سلم کا بادشاہ ہوں۔“ لوگ پتہ نہیں کیوں عجیب و غریب باتیں کرتے ہیں۔ لڑکے نے سوچا۔ اس سے تو بھیڑوں کا ساتھ اچھا ہے وہ کچھ جانتی نہیں ہیں۔ اور اس سے بھی اچھا ہے کہ انسان تنہائی میں کتاب کا

مطالعہ کرے۔

اگر آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوں تو وہ ناقابل یقین تھے کہ بیاں سناتے ہیں اور ان سے گفتگو کریں تو ایسی عجیب و غریب باتیں کریں گے کہ آپ کے لیے نشتو جاری رکھنا مشکل ہو جائے۔

”میرا نام ملکی زیدک ہے۔“ بوڑھے نے سکوت توڑا۔ ”تمہارے پاس کتنی بھینریں ہیں؟“

”کافی ہیں!“ لڑکے نے جواب دیا۔

اس نے محسوس کیا کہ بوڑھا اس کی زندگی کے بارے میں جاننے سے دلچسپی رکھتا تھا۔

”پھر تو ایک مسد ہے۔ اگر تمہارا خیال ہے کہ تمہارے پاس کافی بھینریں ہیں تب تو میں تمہاری مدد

نہیں کر سکتا۔“ بوڑھا بولا۔

لڑکے کو جھنجھلاہٹ ہو رہی تھی۔ اسے یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس نے بوڑھے سے کب مدد مانگی تھی۔

بلکہ بوڑھے نے اس سے پانی مانگا تھا اور اس سے نشتو کرنے پر بھی مصر تھا۔

”میر کی کتاب واپس کریں۔“ لڑکے نے کہا۔ ”میں نے نئی بھینریاں کو اکٹھا کرنا اور بہت دور جانا ہے۔“

”مجھے اپنے گلے کا ساں حصہ دے، تو میں تمہیں جیسے ہوے خزانے کے بارے میں بتاؤں گا۔“

بوڑھا اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

لڑکے کو یک دم اپنا خواب یاد آ گیا۔

اس کو یک دم یہ خیال گزرا کہ یہ بوڑھا اس بڑھیا کا خاوند تھا جس سے وہ اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے گیا

تھا۔ بوڑھی خاتون نے تو اس سے کچھ نہیں کیا تھا مگر یہ بوڑھا اس سے بہت آچھو بیٹے کا ارادہ رکھتا تھا۔ بدلے

میں اس چیز کے بارے میں معلومات لینے کا دعویٰ کر رہا تھا جس کا شاید وجود بھی نہیں تھا۔ بوڑھا بھی شاید

خاتون بدوش ہی تھا۔ اس سے قبل کہ لڑکا چھوڑتا۔ بوڑھے نے چھڑی اٹھالی اور ریت پر کچھ لکھنے لگا۔ بوڑھے

کی چھاتی سے روشنی کا ایک شعاعہ سا نکلا جس سے لڑکے کی آنکھیں تھوڑی دیر کے لیے چندھیا گئیں۔

بوڑھے نے جھٹ سے اپنی نوپنی پھاتی سے سامنے لڑکے۔ اس نے یقیناً کچھ چھپانے کی کوشش کی تھی۔

جب اس کی بینائی مٹی تو لڑکے نے دیکھا کہ بوڑھے نے ریت پر اس کے والدین اور اس کی درسگاہ کا نام لکھا تھا۔

بوڑھے نے تاجر کی بیٹی کا نام بھی ریت پر لکھا تھا جبکہ لڑکا خود ابھی تک اس لڑکی کے نام سے واقف نہیں تھا۔



”میں مہم کا بادشاہ ہوں۔۔۔۔۔“

”کوئی بادشاہ کی پابندی بہت کم ہے۔۔۔۔۔“ کے لئے شرمندہ سے جواب دیا۔

”اس کی بہت سی وجوہات دو ملتی ہیں۔۔۔۔۔“ وہ مہم کا یہ کہنے پر منہ پانی جان لی ہے۔“
مڑ کے نوپچھ معلوم نہیں تھا کہ کی زبان کی منہ پانی ملتی ہے۔

”منہ وہ نہ دانش ہے جس سے یہ کہنے کی عینیت کا رتا ہے ہر شخص جانتا ہے کہ اس کی منہ
یہ ہے۔ جب انسان کو نہ ہوتا ہے۔۔۔۔۔“ وہ اپنے قبیلہ اصول نمبر آتا ہے۔ انسان جو اپنی منہ خواب
دیکھنے سے نہیں رہتا۔ انسان کی تعبیر حاصل کرنے کے لیے قیوت دینے سے غیبتا ہے چاہے یہ قیوت کچھ بھی
ہو۔ لیکن جوں جوں وقت گزرتا ہے پتہ پر اس وقت قیوتیں آتی ہیں کہ اس کے لیے پنی منہ تک
پہنچنا ناممکن ہے۔“ بڑھے کی باتیں۔۔۔۔۔“ اس نے زور دیا۔

لیکن اس بات سے نہ درمیدن تھی کہ وہ معلوم کرے کہ پر اس وقت کیا چیز ہے۔ اس طرح وہ
تاجر کی بیٹی کو متاثر کر سکے گا۔

”یہ وہ وقت ہے جو بطور قومی نمونہ آتی ہے مگر آپ واسطے سہ لاتی ہے کہ آپ کی منزل دراصل ہے
کیا۔ یہ انسان کی روح کو بیدار کرتی ہے اس میں خواہش اجاگر کرتی ہے۔ اس کائنات کا ایک سب سے بڑا
سچ ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان جو مادی جسم ہے اور جس میں جسم و چھ کرنے کا ارادہ کرتا ہے وہ ہو کر
رہتا ہے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ خواہش اس کائنات کی روح ہے۔ اور یہی خواہش روئے زمین پر موجود ہر
انسان کا مقصد حیات بھی ہے۔ چاہے وہ خواہش صرف سیاحت ہی کی کیوں نہ ہو یا پھر تاجر کی بیٹی سے شادی
کی، یا خزانے کی تلاش۔ کائنات کی روح انسان کی خوشی سے تقویت پاتی ہے، اس کے غم، رشک اور حسد
سے بھی۔ صرف اپنی منہ کا واسطے اس لیے ہے۔ اور جب انسان کچھ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو
کائنات کی ہر شے اس کے حصول کے لیے انسان کی مدد کرتی ہے۔“

تھوڑی دیر کے لیے دونوں خاموشی سے بازار اور اس میں گزرنے والے لوگوں کو دیکھتے رہے۔

”تم نے ریویو میں بتا دیا ہے“ بورھے نے پوچھا۔

”یونہی کہ مجھے سیاحت کا شوق ہے“ نے جواب دیا۔

”جب وہ ہو جائے گا۔“ بورھا نے دیکھی، اس نے طرف سے دیکھا اور بتا دیا۔ وہ جو اپنی دکان کے دروازے

میں کھڑا تھا۔

”تو اسے بھی سیاحت کا شوق تھا۔ اس نے فیصلہ کیا۔“ یس کا روبرو بارے۔ کچھ پیسہ جمع کر لے اور پھر

سیاحت کے لیے دنیا کے سفر پر روانہ ہو گا۔ اس نے یہ سوچا کہ انسان اپنی زندگی کے ہر لمحے میں

اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ اس کا مہم جوئی ہو۔ اس کا کہ وہ خوب سمجھتا ہے۔“

”تو چاہتا تھا۔“ اور بھی چاہتا تھا۔

”اس نے اس بارے میں سوچا تھا۔“ بورھا نے جواب دیا۔ پھر معاف کر لے۔ میں دکاندار کی زیادہ

عزت ہوتی ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ وہ دکاندار ہو۔ انا ناپسند کرتے ہیں۔“

لڑنے کے اس میں یس نے بھی سیاحت کی۔ آخر کار۔“ تب میں بھی دکاندار تھا۔

”پھر وقت۔“ ہاتھ راتیں بڑھتے تھے۔ اپنی بات میں جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”لوگوں کے گلہ بانی اور

دکاندار کی کے بارے میں نظریات ان کی اپنی مسرت میں نہایت زیادہ سمجھ جاتے ہیں۔“

بورھا کتاب کی ورق گردانی کرتا رہا۔ ایک نئے یرک گیا اور پڑھنا شروع کر دیا۔ لڑکا کچھ

انتظار کرتا رہا پھر بڑھے سے پوچھا کہ وہ یہ سب کچھ اسے کیوں بتا رہا تھا؟

”یونہی کہ تم چنی مندر متعین کرنے کی تم۔“ بورھا نے اس بات کا خدشہ ہے کہ تم نہیں بھٹک نہ جاؤ۔“

”اور ہمیشہ ایسے ہی وقت آپ۔“ میں نے رہنمائی کے لیے آتے ہیں۔“

”ہمیشہ اس طرح سے نہیں۔“ بھی میں مسکائی میں صورت میں ظاہر ہوتا ہوں، کبھی خیال بن کر اور کبھی

کڑوا وقت بن کر۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ بچوں کا وقت پذیر ہونا ممکن بنوں۔ میں اور بھی بہت کچھ کرتا

ہوں مگر اکثر اوقات انسان کو اس کا احساس نہیں ہوتا کہ یہ سب کچھ میری وجہ سے ممکن ہو رہا ہے۔“

”ایک غلط قسم مجھے مجبور ایک کانٹے کے راستے میں ایک پتھر کی صورت میں ظاہر ہونا پڑا۔“ بورھے

نے اپنی بات جاری رکھی۔

”کان کن نے ہر کام چھوڑ کر پھراج کی تلاش شروع کی۔ وہ پانچ سال تک پتھر کی تلاش کرتا رہا۔“

اس دوران اس نے سینکڑوں پہاڑ کھدائے اور کھدائے پتھر توڑے۔ یہ آخری پتھر کو توڑنا باقی تھا جس میں سے

اسے پکھراج مل سکتا تھا۔ اس آخری پتھر کو توڑنے سے پہلے ہی اس کی ہمت جواب دے گئی کیونکہ اس نے اپنی منزل کی تلاش میں بہتے قربان دیکھی تھی اس لیے اس کی مدد کرنا میرے اوپر فرض تھا۔ میں نے پتھر کا روپ دھارا اور کان کن کے راستے میں آکر۔ کان کن نے غصے سے اٹھا کر مجھے ایک طرف پھینکا۔ اس نے مجھے اتنی زور سے پھینکا کہ میں جس پتھر پر راہ ڈالتا تھا وہ ٹوٹ گیا اور اس نے اندر سے پکھراج نکل آیا۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا اور سب سے خوبصورت پکھراج تھا۔“

”لو! اپنی زندگی میں بہت جلد سیکھ جاتے ہیں کہ ان کی زندگی کا کیا مقصد ہے۔“ بوڑھے نے تلخی سے کہا۔ ”شاید اسی لیے وہ اس کا حصول بھی جلد ترک دیتے ہیں۔“

”آپ خزانے کے بارے میں کچھ کہہ رہے تھے۔“ لڑکے کا ذہن ابھی تک خزانے کے آس پاس بھٹک رہا تھا اسے بوڑھے کی نصیحت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

”خزانہ پانی کے بہاؤ سے آشکار ہوتا ہے اور یہی پانی ہی اسے آنکھوں سے پوشیدہ بھی کرتا ہے۔ اگر تم خزانے کے بارے میں جاننا چاہتے ہو تو تمہیں اپنے گلے کا دوسرا حصہ مجھے دینا ہوگا۔“

”خزانے کے دوسرے حصے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟“ بوڑھے نے مایوسی سے لڑکے کی طرف دیکھا۔

”اگر تم آغاز ہی اس چیز کے وعدے سے روکو تمہارے پاس ہے ہی نہیں تو تم اس کے حصول کی خواہش بھی ترک کر دو گے۔“ لڑکے نے اسے بتایا کہ اس نے اس سے قبل بھی خزانے کا دوسرا حصہ ایک خانہ بدوش خاتون کو دینے کا وعدہ کیا ہے۔

”خانہ بدوش اس کام میں ماہر ہوتے ہیں۔“ بوڑھے نے جواب دیا۔

”بہر حال اچھی بات یہ ہے کہ تم نے یہ تو سیدھا کہہ دیا کہ یہ چیز کی ایک قیمت ہوتی ہے۔“ بوڑھے نے کتاب لڑکے کو واپس کرتے ہوئے کہا۔

”کل اسی جگہ اسی وقت مجھے اپنے گلے کا دوسرا حصہ لادو اور میں تمہیں خفیہ خزانے کا پتہ بتاؤں گا۔“

اس کے ساتھ ہی بوڑھا اٹھا اور رات کے کونے کے پاس روپوش ہو گیا۔



لڑکا دوبارہ کتاب پڑھنے لگا۔ مگر اب اس کے لیے کتاب پر توجہ دینا مشکل ہو گیا تھا۔ اسے احساس تھا کہ بوڑھا جو کچھ کہہ رہا تھا وہی سچ تھا۔ وہ انہی اور نظری کی طرف چلنے لگا تاکہ کھانے کے لیے کچھ خرید سکے۔ وہ اسی شش و پنج میں تھا کہ وہ دکاندار کو بتا دے یا نہ بتا دے کہ بوڑھے نے اس کے بارے میں کیا کہا تھا۔ ”کبھی کبھی حالات تو اس کی دائر پر چھوڑ دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔“ اس نے اپنے آپ سے کہا۔

اس نے دکاندار کو کچھ نہ بتانے کا فیصلہ کیا۔ اگر وہ کچھ بتاتا تو شاید دکاندار سب کچھ چھوڑ کر دوبارہ اپنے خواب کا پیچھا کرنے لگتا۔ جب اب اس نے حالات سے سمجھوتا کر لیا تھا۔ اور وہ ۵۰۰ دکاندار کے لیے پریشانی کا سبب نہیں بننا چاہتا تھا۔

اس نے بازار میں چھن شروع کیا اور تھوڑی دیر بعد صدر دروازے پر پہنچ گیا۔ صدر دروازے کے ساتھ ایک عمارت کی کھڑکی کے سامنے دس کی قطاریں بنی ہوئی تھیں۔ یہ لوگ افریقہ جانے کے لیے ٹکٹ خرید رہے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ مصر افریقہ میں ہے۔

”میں آپ کی یاد کر سکتا ہوں“ کھڑکی سے پیچھے بیٹھے ہوئے شخص نے پوچھا۔

”شاید کل مجھے آپ کی مدد کی ضرورت پڑے۔“ لڑکے نے جواب دیا۔ اس نے سوچا کہ وہ صرف ایک بھیڑیچہ کرا فریقہ کا ٹکٹ خرید سکتا تھا اس خیال سے اسے جھرجھری سی آگئی۔

”ایک اور خیالوں کی دنیا کا باسی۔“ ٹکٹ کلرک نے اپنی ساتھی سے کہا۔

”اس کے پاس دھمید بھی نہیں ہے اور خواب افریقہ جانے کے دیکھ رہا ہے۔“

لڑکے کو اپنے ریوڑ کا خیال آیا۔ اس نے سوچا کہ اب اسے اپنے ریوڑ کے پاس جانا چاہیے۔ دو سال میں اس نے گلہ بانی کے بارے میں سب کچھ سیکھ لیا تھا۔ اس نے یہ بھی جان لیا تھا کہ بھیڑیچہ کی اون کیسے اتارتے ہیں۔ وہ بھیڑیوں کی معمولی بیماریوں کا علاج بھی جانتا تھا۔ اسے اندس کی بہترین چراگاہوں کے متعلق معلوم تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے اپنے تمام جانوروں کی قدر و قیمت کا اندازہ تھا۔

اس نے اپنے دوست کے بازو سے تکیے کے لیے سب سے طویل راستے کا انتخاب کیا۔ راستے میں وہ چراج کے پاس سے گزرا تو وہ میڑھیوں پر چڑھ کر چراج کے مینار پر چلا گیا یہاں سے وہ افریقہ کے

راہل، کچھ سکتا تھا۔ اس نے سنا تھا۔ یہی بات ہے کہ جب حملہ آور چین میں داخل ہوئے تھے۔ یہاں سے وہ پورے شہر کا نڈھال رہ رہ کر نکلتا تھا۔ اس نے سنا تھا کہ جب بھی کسی جہاں اس کی ملاقات ہوڑھے سے ہوئی تھی۔

”مجھے تو مزید فیس دے دے۔ میں دے دے۔ یہاں سنا تھا۔“ اس نے سوچا۔

وہ شہر میں اس لیے آیا تھا کہ وہ بھی سنا تھا کہ آپ کو اب یہی معلوم کر رہے۔ نہ تو وہ خاقان اور نہ ہی وہ بوڑھا اس سے حیرا ہا سونے پر متاثر ہوا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو کسی بھی چیز میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ اور نہ ہی انہیں یہ معلوم تھا کہ یہ وہی ہے۔ یہی جیتروں سے کتنا مانوس ہوتے ہیں۔ اس کو اپنے ریوٹی پر بھیڑی خصامیت سے معلوم تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وہی جیتروں کی ہے، کوئی بھیڑ چاندن بعد پہلے اپنے دل سے اور وہی کھٹکاٹا۔ اس نے اس کی پیروی کی تھی۔ بہت زیادہ ہستیاں پڑے گا۔

ہو تیز چپے تھی۔ وہ سب سے بھی واقف تھا۔ اندلس میں اس کا نام یونتر ہے کیونکہ یہ ”لیوانت“ کی جانب سے چلتا ہے۔ یہ سب سے زیادہ قیاسی انداز ہے۔ جنوب میں واقع ہے۔ یوانتر کی رفتار تیز ہونے لگی۔ اس نے سوچا کہ وہ اپنے ریوٹی اور اپنے خزانے کے درمیان میں ہذا تھا ان دو میں سے اسے ایک کا انتخاب کرنا تھا۔

پھر تاجر کی بیٹی بھی تو تھی۔ وہ سب سے زیادہ تھی جتنا کہ اس کا ریوٹی۔ کیونکہ اس لڑکی کا انحصار اس کے ریوٹی کی طرح لڑکے پر نہیں تھا۔

”اور شاید اسے تو میں یاد بھی نہ ہوں۔“ اس نے اپنے آپ سے کہا۔

”اس کو تو شاید اس بات کا احساس ہی نہ ہو کہ میں اس سے اس قدر واقف تھا۔ کیونکہ اس کے لیے ہر دن ایک جیسا تھا۔ اور تمام دن ایک جیسے اس لیے نہ تھے۔ دنوں وہ دن میں ہونے والی اچھی چیزوں کا احساس نہیں ہوتا۔“

”میں نے اپنے ماں باپ کو جیتروں اپنے قصبہ، چپوڑ، اور وہوگ شایہ میری غیر موجودگی کے عادی بھی ہو گئے ہوں گے۔ اسی طرح بھیڑیں بھی میری غیر موجودگی کی عادی ہو جائیں گی۔“ اس نے سوچا۔

لیوانت اور تیز ہو گئی تھی۔ اس کی مدت وہ اپنے پہلے پر محسوس کر سکتا تھا۔ اسی لیوانتر کے ساتھ کبھی عرب فاتح آئے تھے اور اس کے ہی وقت میں وہاں سے اپنے درخواہوں کی خواہش بھی آتی تھی جو اپنے اپنے خزانوں کی تلاش میں صحرائی جانب رہ رہے تھے۔ اسے ہوائی آزادی سے حسد ہونے کا اسے بھی اسی ہوائی طرح آزار ہونا چاہیے تھا۔ اب بھی تیز سے روانے والی نہیں تھی۔ اس کے پنے سو۔

اس کا ریوڑ، تاجر کی بیٹی اور ندس کی چہ، کایں اس کی منزل کی جانب صرف ایک قدم کی حیثیت رکھتے تھے۔ دوسرے دن بڑا بوڑھے سے طاقت کا یہ اپنی چہ بختہ اس سے ساتھ موجود تھا۔

”مجھے حیرت ہے کہ میرے ہاتھ کی باقی دیکھو یہیں فوراً یہ خریدیں۔ اس نے جڑھ سے کہا۔

"اس کا خیال ہے کہ ریورنڈ اس کا ہمیشہ سے جو بھتیجا۔" اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

”یہ ایک نیک شگون ہے۔“ پوترھے نے جواب دیا۔ ”یہ میسر سے یہی ہوتا ہے۔“

”اس کو موافقت کا اصول کہتے ہیں۔ ہر ترقی و تمدن شاہِ عالم نے یہ سمیٹا تو تمہیں اپنی جیت کا پختہ

یقین ہوتا ہے۔ اسے "شروعات کی جیت" ہے۔

”پس کیوں ہوتا ہے؟“ لڑکے نے سوال کیا۔

”کولی غیر مری طاقت ایسی ہوتی ہے جو چاہے کہ انسان کو اپنی منزل تک پہنچے۔۔۔ یہ طاقت

انسان میں جیتنے کی خواہش ابھارنا چاہتی ہے۔ "ہمارے لئے جیتنے میں کامیابی نہ شروع ہو۔" ان میں سے ایک

لنگڑی تھی۔ لڑکے نے بتایا کہ اس کی لنگڑا بہت معمولی ہے۔ نہ جیسے بہت زمین ہے اور سب سے زیادہ اون

”بھی دیتی ہے۔“

”خزانہ کہاں ہے؟“ اس نے بوڑھے سے استفسار کیا۔

۱۹ مصر میں اجرام کے بارے میں

لڑکے کو حیرت ہوئی کہ بوڑھی خاتون نے یہی جس کچھ کہا تھا مگر بدلے میں کچھ نہیں لیا تھا۔

خزانے کو ڈھونڈنے کے لیے تمہیں تباہیوں میں نہ بہو گی۔" بوڑھے نے کہا۔ "خدا نے ہر انسان

کے لیے ایک راہ متعین کی ہے، تمہیں اس راہ کو چھوٹے سے بڑے فیصلہ نشینوں کو بھی نہ ہوگا۔“

اس سے قبل کہ وہ بوڑھے کی بات کا مٹی جواب دیتا۔ ایک تھکی مڑتی ہوئی اس کے اور بوڑھے کے

درمیاں سے گزری۔ اسے اپنے دادا کی بات یاد آئی۔ جس نے کہا تھا کہ تیری اچھا شگون ہے۔ اس کے علاوہ

حشرات، چھپکلیاں اور چارپتوں والے کلوور بھی۔

”ماں بالکل یہ اچھی بہ مت جبر۔ تبصرے، انے صحیح بہ تھا۔“ بڑھے نے اس کے ذہن کو پڑھتے

ہوئے کہا۔

یوڈھے نے غی صدر کی کھوپڑی کا تاجہ ان راجا بڑھے نے سونے کی زرہ پہنی ہوئی تھی جس پر قیمتی

پتھر جڑے ہوئے تھے۔ اسے گزشتہ روز بڑھے نجاتی سے بکھنے، ن خیمہ ہر دینے والی روشنی یاد آگئی۔

پورے ہوا و قلعے کوئی بادشاہ تھا اور رہنمائی سے نکلے یہ ایک رہبر رہا تھا۔

”یہ لو۔“ بوڑھے نے ایک کالے اور ایک سفید رنگ کا پتھر لڑکے کو دیتے ہوئے کہا۔ ”ان کو ”یوریم“ اور ”تھومیم“ کہتے ہیں سفید کا مطلب ہے بان اور کالے کا مطلب ہے ناں۔ جب بھی تم نشانیوں کو سمجھنے میں وقت محسوس کرو تو یہ تمہاری مدد کریں گے، ہمیشہ با مقصد سہاں کرنا۔ لیکن اگر تم خود سے فیصلہ کر سکو تو زیادہ بہتر ہے۔ خزانہ اہرام مصر میں ہے جیسا کہ تمہیں پہلے ہی معلوم ہے مگر میں نے تم سے کسی واضح فیصلے پر پہنچنے کی قیمت وصول کی ہے۔ میری وجہ سے تمہیں فیصلہ کرنے میں آسانی ہوئی۔“

لڑکے نے دونوں پتھر اپنے تھپے میں ڈال دیے۔ اس نے مصمم ارادہ کیا کہ وہ اپنے فیصلے خود کرے گا۔ ”یہ مت بھولو کہ تمہارا سامنا جس بھی چیز سے ہو گا وہ صرف اکیلی ہے اور نشانیوں کو سمجھنا نہ بھولنا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی منزل کو کبھی نہ چھوڑنا۔“

”آخر میں میں تمہیں ایک کہانی سنوں گا۔ ایک کانداز نے اپنے بیٹے کو دنیا کے سب سے بڑے عام کے پاس بھیجا تا کہ وہ ابدی خوشی کا راز سیکھ سکے۔ لڑکا صحرا میں چالیس دن چلنے کے بعد پہاڑ پر واقع خوبصورت قلعہ پر پہنچا جہاں وہ عالم رہتا تھا۔ قلعے میں داخل ہوا تو لڑکے نے دیکھا کہ ہال میں چہل پہل تھی، تاجر آ جا رہے تھے اور سازندے ساز بجا رہے تھے۔ اور ایک کونے میں میز دنیا کے سب لذیذ کھانوں سے بھرا ہوا تھا۔

عالم سب لوگوں کی بات باری باری سن رہا تھا۔ لڑکے کو دو گھنٹے کے انتظار کے بعد عالم سے بات کرنے کا موقع ملا۔ عالم نے لڑکے سے آنے کی غرض سنی اور اسے بتایا کہ وہ فی الحال مصروف تھا اور اس سے کہا کہ وہ محل کی سیر کرے اور دو گھنٹے کے بعد عالم سے دوبارہ ملے۔

”اس دوران میرا ایک کام بھی کرو۔“ عالم نے لڑکے کو ایک چیچ دیتے ہوئے کہا۔ چیچ میں چند بوند تیل تھا۔ ”یہ چیچ اپنے ہاتھ میں رکھو اور خیال کرنا کہ یہ تیل ٹرنے نہ پائے۔“

محل کی سیڑھیوں پر چڑھتے تڑتے ہوئے لڑکے کی نظریں مسلسل چیچ پر لگی رہیں۔ دو گھنٹے بعد وہ عالم کے پاس دوبارہ گیا۔ ”تمہیں ایرانی پردے کیسے لگے؟ اور باغ کیسا لگا جو ماہر کاریگر نے دس سال کی شبانہ روز محنت سے بنایا ہے؟“ عالم نے لڑکے سے سوال کیا۔

لڑکے کو شرمندگی ہوئی۔ اس نے محل میں کچھ بھی نہیں دیکھا تھا اس کی تو تمام تر توجہ چیچ میں موجود تیل پر ہی رہی تھی کہ کہیں تیل نہ گر جائے۔

”تو پھر جاؤ اور دوبارہ میرے محل کو غور سے دیکھو۔ جب تک تم آدمی کا گھر نہ دیکھ لو تو تم اس پر اعتماد

کیسے کر سکتے ہو؟" عالم نے لڑکے سے کہا۔

لڑکا چچ پکڑ کر دوبارہ محل کی سیر و نکل گیا۔ اس دفعہ وہ واقعی محل کی خوبصورتی سے متاثر ہوا۔ چھت پر مینا کاری کمال کی تھی۔ باغ اپنی مثال آپ تھا۔ غرض ہر چیز اپنی جگہ خوبصورتی کا مکمل نمونہ تھی۔ عالم کے پاس دوبارہ آنے پر اس نے محل کی خوبصورتی کی مکمل تصویر کشی کی۔

"لیکن تیل کہاں ہے؟" عالم نے پوچھا۔

لڑکے نے چچ کو دیکھا تو وہ تیل سے خالی تھا۔

"میری صرف ایک ہی نصیحت ہے۔" عالم نے کہا۔ "خوشی کا راز یہ ہے کہ دنیا کی رونقیں جی بھر کر دیکھو مگر چچ میں موجود تیل کو کبھی نہ بھولو۔"

چرواہا خاموش رہا۔ بوزھے بادشاہ کی کہانی اس کی سمجھ میں آئی تھی کہ چرواہا چاہے سیاحت میں مصروف رہے مگر اسے اپنی بھینسوں کو نہیں جمانا چاہیے۔

بوزھے نے چرواہے کو غور سے دیکھا اس نے پر اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیرا۔ اور پھر اپنی بھینسوں سے کروانہ ہو گیا۔



طرف کے بلند ترین مقام سے افریقہ کی سمیت نظر آتی ہے۔ ممبئی زیدک، سلم کا بادشاہ۔ قلعے کی تفصیل پر بیٹھا ہوا تھا وہ لیوانٹر کو اپنے چہرے پر محسوس کر سکتا تھا۔ بھینسیں قریب ہی چر رہی تھیں انہیں مالک کی تبدیلی کا کوئی غم نہیں تھا آخر انہیں صرف چارہ اور پانی ہی تو رکھتا تھا۔

ممبئی زیدک نے سمندر میں ایک چھوٹے جہاز کو افریقہ کی طرف رواں دواں دیکھا۔ وہ اب اس چرواہے کو دوبارہ کبھی نہیں دیکھ سکے گا۔ جیسا کہ وہ ابراہام کو کبھی دوبارہ نہیں دیکھے گا تھا۔ اس سے بھی اس نے دسواں حصہ وصول کیا تھا۔ ولیوں کی کوئی خواہشات نہیں ہوتی۔ یونکہ ان کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔

سلم کے بادشاہ کی شدید خواہش تھی کہ وہ چرواہا باضوہر کا میاب ہو۔ اسے اس بات کا رنج ضرور تھا کہ چرواہا بہت جلد اس کا نام بھول جائے گا۔

"مجھے چاہیے تھا کہ اس کے سامنے اپنا نام بار بار دہرائے تاکہ چرواہا میرا نام یاد رکھ سکے۔"

”خدا مجھے معلوم ہے یہ سب کچھ ہمارے لئے ہے۔“ لیکن ایک بڑھا بدشاہ فخر کے چند ہی تپ چاہتا ہے۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔



اسے بہت ہی ٹیب کا کہنا تھا۔ تین دنوں کے بعد دوبارے سے بے حد محنت رکھتے تھے۔ کچھ دن ایک طویل پاپ سے تھکتے تھے۔ پھر اسے دوسرے آدمی کو تھا دیتے تھے۔ بعد میں اسے معلوم ہوا کہ اس پاپ کا نام انتہ ہے۔ وہ باتوں میں ہاتھ ڈال کر بازاروں میں گھوم رہے تھے۔ عورتوں کے چہروں پر نقاب تھے۔

اتنے دنوں کے بعد مذہبی رہنما یہاں پہنچے۔ رزورزور سے کچھ پکارتا تھا جسے سن کر لوگ بار بار جھٹکتے تھے اور اپنا ہاتھ زمین پر دیتے تھے۔

”غیر مسیحیوں کی عبادت گاہوں کے سامنے۔“

یہ اس نے بچپن میں مدرستے میں پڑھا تھا۔ سب سے پہلے اپنے سفید کھوڑے پر سوار بن کر متحارب سے اسے ہمیشہ بہت مسحور کن لگتا تھا۔ یہ سب کچھ اس نے دیکھا تھا اور تہذیبی محسوس کرنے لگا۔

اسے معلوم تھا کہ خزانے تک پہنچنے کے لیے اس نے جیب میں اچھی خاصی رقم بھی جو اس نے اپنی بھیڑوں کو بیچ کر حاصل کی تھی اور اسے یہ بھی معلوم تھا۔ پیسے میں ایک جادو ہوتا ہے جو ہر کام کو ممکن بنا دیتا ہے۔ اور بہت جلد وہ اہم اسے پاس رکھتا ہے۔ اسے یقین تھا کہ ایک بڑھا آدمی جس نے سونے کی زرہ پہن رکھی تھی صرف چند بھیڑوں سے یہ جہاز میں دل سلاتا۔ بڑھے نے نشانیوں کا ذکر کیا تھا اور تین دنوں کے عبور کرتے ہوئے وہ نشانیوں کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ بڑھا یا کبیرا ہے۔ اندس کے میدانوں سے گزرتے ہوئے اسے ہمیشہ وارک ہو جاتا تھا کہ اسے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ اپنے مشاہدے سے اس نے سیکھا تھا ایک خاص قسم کی جڑی بوٹی اس بات کی علامت تھی کہ پانی زیادہ ہے، اور ایک خاص قسم کے پرندے کی موجودگی رد گرد سامنے کی موجودگی کی علامت تھی۔ یہ سب اس نے اپنی بھیڑوں کی صحبت میں سیکھا تھا۔

خدا بھیڑوں کو راستہ بتاتا ہے۔ انسان کو کس طرح بھٹکنے کے لیے چھوڑ دے گا۔ اس خیال

سے۔ صرناہت محسوس ہوئی اور قبو سے آواز آئی۔

”تم کون ہو؟“ کسی نے سپاہی زمان میں سے پوچھا۔ ”کے واسطینان ہوا۔ وہ ابھی نشانیوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اور پہلی نشانی غمہ پنہ یہ ہوئی تھی۔

”تم سپاہی کیسے دل بیتے ہو؟“ اس نے سوال کرنے والے سے الٹا سوال کیا۔

نوار و مغربی بار میں مہوس یہ وہ من تھا۔ لیکن اس کی رنگت اس کے مقامی ہونے کی چغلی کھا رہی تھی۔ وہ چہرے کے منور و قدرت کا تھا۔

”یہاں سپاہی ہوں۔ تم سے۔ ہم یہیں سے صرف دو گھنٹے کی مسافت پر ہیں۔“ نوار و نے جواب دیا۔

”بہت اچھے اپنی خدمت کا موقع، اور یہ ہے۔ یہ جی ایب کا اس شب منہوا۔ مجھے یہ ٹروا قبوہ بالکل اچھا نہیں لگا۔ اس سے نوار و نے کہا۔

”اس ملک میں شب نہیں مل سکتی۔ ہمارے مذہب میں اس کی مخالفت ہے۔“ نوار و نے جواب دیا۔ لڑکے نے اسے بتایا کہ اسے اسے مصر جانے اس نے یہ کہہ کر نوار و کو ٹرانس کے بارے میں بتانے کا ارادہ کیا۔ ”چچہ یہ سوچ رہا تھا۔ سوچا۔ یہاں تو اس بات کا قوی امکان تھا۔ نوار و عرب اس سے حصہ مانگتا اور اسے بڑے بڑے بات بات کی۔ ابھی اس نے اپنے کا وعدہ نہ کرے جو ابھی اس کی ملکیت میں نہیں ہے۔“ اور قہار مصر تک میری رہنمائی دے گا۔ میں تمہیں اس کا معافی دے دوں گا۔“ اس نے نوار و کو عرب سے کہا۔ ”یہ تمہیں یہ یاد دلاؤ۔“ اس نے کہا۔ ”میں یہ بتا رہا ہوں کہ ہے؟“ نوار و نے استفسار کیا۔ اس نے دیکھا کہ قبوہ خانے کا مکان، دونوں کی خدمت منور سے سن رہا تھا۔ کان و رکاس طرح دیکھنے سے براگٹھ اسے ایک رہنما مل گیا تھا جسے وہ کسی بھی قیمت پر جتنا نہیں چاہتا تھا۔

”ہر مصر تک پہنچنے کے لیے صحرا میں رہنا ہے۔ اور اسے عبور کرنے کے لیے بہت زیادہ رقم درکار ہے۔ پہلے مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارے پاس رقم کتنی ہے؟“

اسے یہ سب ٹیب کا مگر اسے بڑے بڑے بات بات۔ اس نے کہا تھا۔

”جب تم چاہتے ہو کہ وہاں رہو تو کائنات کی ہر شے اسے ممکن بنانے پر تمل جاتی ہے۔“

اس نے اپنی تمام رقم نکال دی۔ اس نے کہا۔ ”میں یہ سب دیکھ رہا تھا۔“

اس نے عربی میں نوار و سے کہا۔ ”تمہارا یہاں پہنچنا یہاں پہنچنا یہاں رہا تھا۔“

”آؤ یہاں سے چلیں یہ چاہتا ہے کہ ہم چلے جائیں۔“

جب وہ قبوے کا بل دینے کے لیے آیا تو قبوہ خانے کے مالک نے اسے بازو سے پکڑ لیا اور عربی میں زور زور سے کچھ بولنے لگا۔ لڑکا مضبوط ایل ڈول کا مالک تھا۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ اس بد تمیزی کا منہ تو زجواب دے مگر یہ سوچ کر پپ رہا کہ وہ ایک غیہ ملک میں تھا۔ عربی نے قبوہ خانے کے مالک کو دھکا دے کر اسے چھڑا لیا۔

”یہ تمہاری رقم ہتھیا نا چاہتا ہے۔“ عربی نے کہا۔ ”تانیخیر باقی افریقہ سے مختلف ہے۔ یہ ایک بندرگاہ ہے اور ہر بندرگاہ پر لٹیرے اور رہبان خواتین سے پائے جاتے ہیں۔“

لڑکے کو اپنے لئے ساتھی پر اعتماد تھا۔ ”خیر اس نے مشکل وقت میں اس کا ساتھ دیا تھا۔ عربی رقم کھنے لگا۔“

”ہم اب امریکہ کے لیے کل رہا نہ ہوئے تھے اس لیے ہمیں پہلے دو اونٹ بیٹے ہو گئے۔“

دونوں نے تانیخیر کی تنگ گلیوں میں چہنچہا کرنا کیا۔ بار بار کے دونوں طرف سٹل گئے ہوئے تھے۔ وہ چلتے چلتے چوراہے پر پہنچ گئے۔ یہاں پر بہت زیادہ رش تھا۔ ہر کوئی خرید و فروخت میں مصروف تھا۔ کوئی سبزی خرید رہا تھا تو کوئی خنجر کا بھاؤ تھا۔ ہر طرف قائلین فروخت کرنے کے لیے رکھے تھے تو اس کے برابر تمباکو۔

لڑکے کی نظر مسلسل عربی پر تھی۔ خیر اس کی پوری جمع پونجی اس کے پاس تھی۔ ایک بار تو اس نے سوچا کہ وہ اس عربی سے اپنی رقم واپس لے لے مگر چہرہ یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ ایسا کرنا ایک غیہ دوستانہ عمل ہوگا۔

”مجھے مسلسل اس پر نظر رکھنی چاہیے۔“ اس نے اپنے آپ سے کہا۔

اسے اس بات کا اطمینان تھا کہ وہ عربی کی نسبت مضبوط ایل ڈول مالک تھا۔ اسی گہما گہمی میں اسے ایک بہت ہی خوبصورت تلوار نظر آئی۔ اس نے آج تک ایسی تلوار نہیں دیکھی تھی۔ تلوار کا میان چاندی کا بنا ہوا تھا اور اسے پر قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے دل میں عہد کیا کہ جب وہ خزانہ لے کر واپس آئے گا تو یہ تلوار ضرور خریدے گا۔

”ذرا اس تلوار کی قیمت تو معلوم کرو۔“ اس نے عربی سے کہا۔

لیکن اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ اس پر یہ مبالغہ آشاف ہوا کہ اس ایک لمحے میں جب وہ تلوار کی طرف متوجہ تھا، وہ اپنی تمام جمع پونجی سے محروم ہو چکا تھا۔

اس کا دل ڈوبنے لگا اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ وہ مڑ کر دیکھنے سے گھبرا رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ پیچھے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ تلوار کو سی، دیکھتا رہا اور ہمت جمع کرتا رہا کہ پیچھے مڑ کر دیکھ سکے۔

چاروں طرف لوگوں کا ہجوم تھا۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ خرید و فروخت کر رہے تھے۔ غیر، نوں کھانوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی مگر کہیں بھی اس کا عجب سا تھی نہیں تھا۔ اس نے اپنے آپ کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ اس کا ساتھی صرف لمحے بھر کے لیے اس سے بچھڑ گیا ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ یہیں پر اس کا انتظار کرے گا۔ اسی دوران ایک شخص مینار پر چڑھا اور اونچی آواز میں کچھ پکارنے لگا۔ تمام لوگ پہلے تو جھکے اور پھر زمین پر مارتا نکلنے لگے۔ اس سے فارغ ہو کر سب نے اپنی دکانیں بند کیں اور گھروں کو روانہ ہو گئے۔

سورج غروب ہو رہا تھا۔ اس نے سچا کہ آج صبح جب سورج طلوع ہوا تو وہ ایک دوسرے برا عظم پر موجود تھا۔ وہ ایک چرواہا تھا جس کے پاس سانپ بھیڑیں تھیں۔ اسے اپنی محبوبہ سے ملنے کی امید تھی۔ آج صبح اسے اپنے ساتھ پیش آنے والے لمحات کا عظم تھا اور اب جب سورج ڈوب رہا تھا وہ ایک اور برا عظم پر تھا جہاں کی زبان سے وہ بے خبر تھا۔ وہ نہ تو چرواہا تھا اور نہ ہی اس کے پاس اس کا زور اور ادھ تھا۔ اس کے پاس اتنی رقم بھی نہیں تھی کہ وہ گھر کو لوٹ سکے۔ یہ سب آج سورج طلوع ہونے سے لے کر غروب ہونے کے درمیان ہو گیا۔ وہ انتہائی رنجیدہ تھا، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب آج اتنا جلدی ہو گیا ہے۔

اس کا دل چاہا کہ وہ رو دے لیکن وہ تنہا اپنی بھیڑوں کے سامنے بھی نہیں رویا تھا۔ بازار اس وقت ویران تھا اور وہ گھر سے بہت دور تھا جہاں اسے کوئی نہیں پہچانتا تھا اس لیے وہ جی بھر کر رویا۔ وہ اس لیے رویا کہ خدا نے اس کے ساتھ بے انصافی کی تھی ”اور خدا خواہوں کی دنیا میں رہنے والوں کو ایسے ہی سزا دیتا ہے۔“ اس نے سوچا۔

”جب میں چرواہا تھا تو میں خوش تھا اور میرے ساتھی بھی مجھ سے خوش ہوتے تھے۔ وہ مجھے آماد کہتے تھے تو میرا استقبال کرتے تھے۔ اور اب میں اداس اور تنہا ہوں۔ میرا لوگوں پر سے اعتبار اٹھ گیا ہے کیونکہ لوگوں نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ مجھے ان سب دُشمنوں سے نفرت ہے جو اپنے خزانے تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے کیونکہ میں اپنے خزانے تک نہیں پہنچ سکا۔“

اس نے اپنا تھیلہ کھولا کہ شاید اس میں کچھ بچا ہو۔ تھیلے میں اس کی کتاب، جیکٹ اور دو پتھر تھے۔ وہ پتھر جو بوڑھے نے اسے دیے تھے۔ پتھروں پر جب اس کی نظر پڑی تو اسے ایک گوندہ اطمینان ہوا۔ اس نے ان دو پتھروں کے عوض چھ بھیڑیں دی تھیں۔ وہ ان پتھروں کو بیچ کر واپسی کا ٹکٹ خرید سکتا تھا۔

”اب میں زیادہ احتیاط کا مظاہرہ کروں گا۔“ اس نے سوچا یہ ایک ساحلی شہر ہے اور اس عربی کے بقول، ہر ساحلی شہر کے لوگ چور اور تیرے ہوتے ہیں۔ اب اسے احساس ہوا کہ قہوہ خانے کا مالک اتنا پریشان کیوں تھا۔ وہ اسے بتانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کا نووارد دوست لیرا ہے۔

”میں دنیا کو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہوں۔ دنیا کا ہر شخص مجھے اپنے جیسا سیدھا سادھا لگتا ہے حالانکہ حقیقت اس سے بالکل مختلف ہے۔“

وہ پتھروں پر انگلیاں پھیر رہا تھا۔ وہ ان کی حرارت کو محسوس کر سکتا تھا۔ اب یہی اس کا خزانہ تھا۔ ان کو چھونے سے اسے اطمینان ملا۔ پتھروں نے اسے بوزھے کی یاد دلا دی۔ بوزھے نے کہا تھا۔

”جب تم کچھ کرنے کا قسم ارادہ کر لو تو کائنات کی ہر شے اس کے حصول میں تمہاری مدد میں مصروف ہو جاتی ہے۔“

وہ بوزھے کی ذہانت کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہاں وہ ویران بازار میں تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بالکل مفلس تھا۔ پتھر اسے یاد دلاتے تھے کہ اس کی ملاقات ایک بادشاہ سے ہوئی تھی جو اس کے ماضی سے واقف تھا۔

”ان کا نام ”یوریم“ اور ”تھومس“ ہے اور یہ تمہیں نشانیوں کو پہچاننے میں مدد دیں گے۔“ لڑکے نے پتھر اپنے تھیلے میں رکھے اور ان کو آزمانے کا فیصلہ کیا۔ بوزھے نے کہا تھا کہ اسے واضح سوال کرنا چاہیے کہ وہ کیا معلوم کرنا چاہتا ہے۔

اس نے سوال کیا ”کیا بوزھے آدمی کی عمارتوں میں بھی میرے ساتھ ہیں؟“ اس نے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر ایک پتھر نکالا۔ جواب ہاں میں تھا۔

”کیا مجھے میرا خزانہ مل جائے گا؟“

اس نے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر پتھروں کو ٹٹوایا۔ تو دونوں پتھر سوراخ سے نیچے گر گئے۔ لڑکے کو اب تک معلوم نہیں تھا کہ تھیلے میں کوئی سوراخ بھی ہے۔

وہ نیچے جھک کر یوریم اور تھومس کو ڈھونڈنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔

”نشانیوں کو پہچاننا سیکھو اور ان پر عمل کرو۔“ بوزھے نے کہا تھا۔ ”ایک اور نشانی“ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے پتھروں کو اٹھایا اور تھیلے میں رکھ لیا۔

اس نے سوراخ کو روفو کرنے کا خیال ترک کر دیا۔ پتھر جب چاہیں گر سکتے تھے۔ اس نے سوچا کہ کچھ سوال ایسے ہوتے ہیں جو کہ انسان کو نہیں رہنے چاہئیں۔ اس سے خطرہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی منزل سے بھٹک نہ جائے۔

اس نے دس میں عہد یا کہ وہ اپنے فیصلے نہ کرے گا۔ پتھروں نے اسے بتایا کہ بوڑھے آدمی کی دعا میں اب بھی اس کے ساتھ ہیں۔ اس سے اس کا خوف پر اعتماد بڑھ گیا۔ اس نے اپنے ارد گرد نگاہ ڈالی۔ اسے ایسے لگا کہ یہ نامہ دس جگہ نہیں۔ بلکہ ایک نئی جگہ تھی۔ آخر اس نے اسی کی تو ہمیشہ خواہش کی تھی۔ اگر وہ اہر م مصر تک نہ بھی پہنچ پاتا تو وہ اپنے کسی بھی جاننے والے چرواہے سے بھی زیادہ دنیا دیکھ چکا تھا۔ کاش ان کو بھی اس بات کا احساس ہو جائے کہ ان سے وہ گھنٹے کی مسافت پر ایک بالکل مختلف دنیا آباد ہے۔ گرچہ اس کی یہ نئی دنیا اس وقت ایک ویران بازار تھا مگر وہ اس کا نظارہ اس وقت بھی کر چکا تھا۔ جب یہ بازار اپنی پوری گہما گہمی پر تھا۔

اس کے ساتھ ہی سے تلوار کا خیال آیا۔ اس خیال سے اسے تکلیف ہوئی مگر اس نے اس سے خوبصورت تلوار اس سے قبل کبھی نہ بھی بھی نہیں تھی۔ اسے اب فیصد کرنا تھا کہ وہ ایک لٹیرے کا ڈس ہو انسان ہے یا خزانے کی تلاش میں پھرنے والا مہم جو۔

”میں خزانے کی تلاش میں نکلنے والا مہم جو ہوں۔“ اس نے خود کا می کے انداز میں کہا۔



کسی نے اسے گہری خیند سے جکایا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ بیچ بازار ہی سو گیا تھا اور اب بازار کی گہما گہمی لوٹ رہی تھی۔ اس نے اپنی بھیڑوں کے لیے ارادہ نظر دوڑائی تب اسے احساس ہوا کہ وہ ایک نئی دنیا میں ہے لیکن افسوس کی بجائے خوشی کا احساس اس پر چھایا ہوا تھا۔

اسے بھیڑوں کے لیے چارے اور پانی کی تلاش میں مارا مارا پھرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنے خزانے کی تلاش میں جا سکتا تھا اس کی جیب میں پھوٹی وزی بھی نہیں تھی۔ مگر اس کے پاس اعتماد کی دولت تھی۔ اسے احساس ہوا کہ وہ لوگوں کے چہرے سے اندازہ کر سکتا تھا کہ وہ اپنی منزل کے قریب ہیں یا دور۔ یہ بہت ہی آسان تھا مگر اس سے قبل اس نے اس بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔

اس نے گزشتہ رات فیصد کیا تھا کہ وہ بھی اسی طرح کا مہم جو بنے گا جن کی کہانیاں اس نے کتابوں پڑھی تھیں۔ اس نے آہستہ آہستہ بازار میں چند شروٹ لیا۔ دکاندار اپنی اپنی دکانیں سجانے میں مصروف تھے۔ وہ ایک مٹھائی والے کی دکان سجانے میں مدد کرنے لگا۔ مٹھائی والے نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

اس کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی اور طمانیت تھی۔ وہ جانتا تھا کہ زندگی کیا ہے۔ مٹھائی والے کی مسکراہٹ نے اسے بوزھے کی یاد دلائی۔ یہ مٹھائی والا اس لیے مٹھائی نہیں بنا رہا کہ وہ کسی تاجر کی بیٹی سے شادی کر سکے بلکہ اس لیے مٹھائی بنا رہا تھا کیونکہ اسے یہ کام پسند تھا۔ اسی لیے اس کے چہرے پر طمانیت ہے اس نے سوچا۔ جب مٹھائی والے کی دکان بج گئی تو اس نے لڑکے کو کھانے کے لیے مٹھائی دی جو اس نے شکرے کے ساتھ قبول کر لی اور اپنی راہ پر گامزن ہو گیا۔

چلتے چلتے اسے احساس ہوا کہ ایک آدمی بول رہا تھا جبکہ دوسرا آدمی ہسپانوی میں جواب دے رہا تھا۔ جبکہ دونوں ایک دوسرے کا مفہوم سمجھ رہے تھے۔

”اس کا مطلب ہے کہ ایک ایسی زبان بھی ہے جس کا انحصار الفاظ پر نہیں ہے۔“ اس نے سوچا۔ اس بات کا تجربہ وہ اس سے قبل بھیڑوں کے ساتھ بھی کر چکا تھا۔ اور اب وہی تجربہ انہوں کے درمیان ہوا۔ وہ ہر قدم پر نیک نیتی سے سیکھ رہا تھا۔ ان میں سے کچھ باتوں کا تجربہ وہ اس سے قبل بھی کر چکا تھا۔ مگر تب اسے اس کا ادراک نہیں تھا۔ اسے ان چیزوں کا ادراک اس لیے نہیں تھا کیونکہ وہ ان کا عادی ہو چکا تھا۔

”اگر میں یہ زبان سیکھ لوں جس کا انحصار الفاظ پر نہیں ہے تو میں پوری دنیا کو سمجھ سکتا ہوں۔“ مطمئن اور پرسکون، اس نے تانبے کی پلیوں میں ٹیلے کا ارادہ کیا۔ اس طرح وہ نشانیوں کا مشاہدہ کر سکتا تھا۔ مگر اس کے لیے صبر کی ضرورت تھی اور پھر چرواہے سے زیادہ صبر کون کر سکتا ہے۔ اس نے جو کچھ بھیڑوں کے ساتھ سیکھا تھا اس کا اطلاق ایک نئی جذبہ پر کیا جاسکتا تھا۔

”تمام چیزیں اصل میں ایک ہی ہیں۔“ بوزھے بادشاہ نے اسے بتایا تھا۔



کرشل فروش آج بھی اسی پریشانی کے ساتھ جاگا جو روز کا معمول تھی۔ وہ اس جگہ پر گزشتہ تیس سال سے رہ رہا تھا۔ اس کی دکان پہاڑی کی پہاڑی پر تھی جہاں گاہکوں کا گزر کم و بیش ہی ہوتا تھا۔ اس کو صرف ایک کام آتا تھا۔ کرشل کی پہچان اور خرید و فروخت۔

اس کا کاروبار کبھی عروج پر تھا، اس کی دکان کی شہرت دور دور تک تھی۔ اور اس کے گاہکوں میں عرب

تاجر، فرانسیسی اور برطانوی، ہرین ارضیات اور جرمن فوجی ہوتے تھے۔ تب سب کچھ بہت اچھا لگتا تھا اور وہ بہت جلد امیر ہونے کا خواب دیکھتا تھا۔

مگر وقت کے ساتھ تاخیر بھی بدل گیا۔ نزدیکی شہر سیونا اتنی تیزی سے پھیل کہ تاخیر کی رونقیں ماند پڑ گئیں۔ اکثر دکانداروں نے اپنے کاروبار نے شہر میں منتقل کر لیے۔ اب گاہک پہاڑی پر واقع خال خال دکانوں میں جھانکنے سے بازار سے خریداری کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ لیکن کرشل فروش کے پاس کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے تیس سال اسی کاروبار میں گزارے تھے اور وہ کسی دوسرے کاروبار سے بالکل ناواقف تھا۔ اور اب کاروبار بدنامی کا شکار تھا۔ اس کی صبح سویرے کو دیکھتے ہوئے گزرتی تھی، یہ سالوں سے اس کا معمول تھا، اور اب تو اسے اونٹوں کے گزرنے کے اوقات بھی ازبر ہو گئے تھے۔ دوپہر کے قریب ایک لڑکا اس کی دکان میں داخل ہوا۔ لباس سے وہ کسی کھاتے پیتے گھرانے کا فرد لگتا تھا مگر اس کی تجربہ کار نگاہیں کہتی تھیں کہ اس کی جیبیں خالی ہیں۔



دکان میں لگے ایک کتبہ سے اندازہ ہوتا تھا کہ دکاندار ایک سے زیادہ زبانیں بول سکتا تھا۔
 ”میں کرشل صاف کرنے میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔“ لڑکے نے کاؤنٹر پر موجود شخص سے کہا۔
 ”اس حالت میں یہ شاید گاہکوں کے لیے زیادہ کشش کا باعث نہ ہوں۔“
 دکاندار نے خالی خالی نظروں سے لڑکے کی طرف دیکھا۔ ”تم مجھے بدلے میں کچھ کھانے کے لیے دے دینا۔“

دکاندار اب بھی خاموش تھا۔ لگتا تھا کہ کسی فیصلہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔
 لڑکے نے سوچا کہ اسے اس صحرا میں جیکٹ کی فی الحاح ضرورت نہیں تھی لہذا اسے وہ کرشل صاف کرنے کے لیے استعمال کر سکتا تھا۔ اس نے تمبیے سے جیکٹ نکالی اور کرشل صاف کرنا شروع کر دیے۔
 آدھے گھنٹے میں اس نے دکان میں موجود زیادہ تر کرشل چمکا دیا۔

ابھی اس نے کام شروع ہی کیا تھا کہ دو گاہک دکان میں داخل ہوئے اور انہوں نے کرشل خریدا۔
 جب وہ کام سے فارغ ہوا تو دکاندار نے اسے کھانے کے لیے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ انہوں نے دکان بند کی

اور نزدیکی ہوئیں پر چلے گئے۔

”صرف کھانے کے لیے تمہیں یہ سب کرنے کی ضرورت تھی؟“ تاجر نے لڑکے سے کہا۔ ”قرآن ہمیں تلقین کرتا ہے کہ ہم بھوکوں کو کھانا کھلائیں۔“

”تو پھر تم نے مجھے کام کرنے کی اجازت کیوں دی؟“ لڑکے نے استفسار کیا۔

”کیونکہ ریشل گند تھا، رتہ، لون، اپنا اپنا، بون کی صفائی بھی مطلوب تھی۔“ تاجر نے جواب دیا۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو دکاندار بولا:

”تمہارے آنے کے بعد آج میری دکان میں گاہک آئے یہ ایک نیک شگون ہے۔ میری خواہش ہے کہ تم میری دکان میں کام کرو۔“

”گوشت نشانیوں کا بہت زیادہ ذکر کرتے ہیں۔“ لڑکے نے سوچا ”لیکن شاید انہیں بھی معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔“

”کیا تم میری دکان پر کام کر رہے ہو؟“ تاجر نے اس سے استفسار کیا۔

”میں آج کا پورا دن اور پوری رات تمہاری دکان پر کام کروں گا اور تمہاری دکان کی ہر ایک چیز چکا دوں گا۔ معاوضے میں مجھے مصر جانے سے باز رکھا جائیگا۔“ لڑکے نے جواب دیا۔

دکاندار بے ساختہ ہنس پڑا۔ ”آج تم میری دکان میں ایک سال بھی کام کرو اور اس کے بعد وہ میں تمہیں دکان میں فروخت ہونے والی ہر چیز پر میٹن بھی دوں تو پھر بھی مصر جانے کا زور راہ پورا نہیں ہو سکتا۔ مصر یہاں سے ہزاروں میل دور ہے اور درمیان میں ایک بقیہ بقیہ صحرا ہے۔“

ایک لمحے کے لیے سے ایسے لگا جیسے چار ساں ہوئی ہو۔

فضا میں گہرا سنا تھا۔

بازار سنا تھا۔

کوئی امید نہیں۔

کوئی مہم جوئی نہیں۔

نہ بوڑھا شہنشاہ اور نہ ہی منزل کا کوئی نشان۔

نہ خزانہ اور نہ ہی اہرام مصر۔

دکاندار کی بات میں جیسے جادو سے غلط تھے جن کے ادا ہوتے ہی سب کچھ غائب ہو گیا ہو۔

دنیا جیسے سائنس مانی ہو۔ یہ شاید اس لیے تھا کہ وہ خود اس تھا۔

اس نے خالی خالی نظروں سے نیچے۔ دروازے سے باہر دیکھا۔ اسے لگتا تھا کہ اس کی روح ابھی پرواز کر جائے گی اور سب کچھ اسی لئے فتر ہو جائے گا۔
دکاندار تجسس سے لڑکے کی طرف دیکھ رہا تھا۔
اس کی آنکھوں کی تمام پیمت جو اس نے صبح اٹھی تھی غائب ہو چکی تھی۔ اور وہ مایوس تھا۔
”میں تمہیں اتنا معاوضہ دے سکتا ہوں کہ تم اپنے ملک واپس جا سکو۔“ دکاندار بولا۔
لڑکا خاموش تھا۔ ”اٹھا، اپنے پنہاں ٹھیک لے اور تھیرا اٹھیا۔“ میں کام کروں گا۔
”مجھے اتنی رقم چاہیے کہ میں کچھ بھیڑیں خرید سکوں۔“



لڑکے کو کرشل کی دکان پر کام کرتے ہوئے ایک ماہ سے زائد کا عرصہ بیت گیا تھا۔ یہ کام اس کی طبیعت سے مطابقت نہیں رہتا تھا۔ دکاندار بہ وقت نوٹ کرتا تھا کہ وہ کرشل کو احتیاط سے اٹھائے کہیں کہ وہ ٹوٹ نہ جائے اور لڑکے کو یہ نوک جھوک اچھی نہیں ملتی تھی۔

وہ اس کام سے اس لیے چپکا ہوا تھا کہ دکاندار کا وہ یہ اس کے ساتھ اچھا تھا اور وہ لڑکے کو سامان کی فروخت پر معقول کمیشن بھی دیتا تھا۔ اس نے اب تک چند رقم پس انداز کر لی تھی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ اگر وہ اسی طرح کام کرتا رہا تو ایک سال میں وہ اتنی رقم جمع کر لے گا کہ وہ پتہ بھیڑیں خرید سکے۔

”ہمیں کرشل کے لیے ایک شے بنانا چاہیے۔“ اس نے دکاندار سے کہا ”ہم یہ شوکیس دکان کے باہر رکھیں گے اس طرح گاہک دور سے ہی کرشل دیکھ کر دکان کی طرف متوجہ ہوں گے۔“

”اس سے قبل میں نے کبھی کرشل دکان کے باہر نہیں رکھا اس طرح اس کے ٹوٹنے کا خدشہ رہتا ہے۔“ دکاندار نے جواب دیا۔

”جب میں اپنی بھیڑیں چر گاؤں میں سے رجاتا تھا تو اس بات کا خدشہ موجود رہتا تھا کہ کوئی بھیڑ یا کسی بھیڑ کو اٹھا کر لے جائے۔ یا پھر بونی بھیڑ ویرانے میں بیمار پڑ جائے اور مر جائے۔ یا اسے کوئی سانپ ڈس لے۔ لیکن دنیا اسی طرح ہی رواں دواں ہے۔“

دکاندار کوئی جواب دینے کی بجائے گاہک کی طرف متوجہ ہو گیا جو گلاس پسند کر رہا تھا آج کل اس کا کاروبار عروج پر تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ جیسے پرانے دن لوٹ آئے ہوں جب اس کی دکان مرکز نگاہ ہوا کرتی تھی۔
”کاروبار میں بہت بہتری ہوئی ہے۔“ دکاندار نے گاہک سے فارغ ہونے کے بعد لڑکے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”میری کمائی کافی اچھی ہے اور امید ہے کہ تم بھی بہت جلد اپنا ریوز بنانے میں کامیاب ہو جاؤ گے اس سے زیادہ کی طلب اچھی نہیں ہے۔“

”لیکن ہمیں نشانیوں کو پہچانا چاہیے۔“ لڑکے نے بے ساختہ کہا۔

پھر اسے افسوس ہوا کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔ یوں دکاندار تو کبھی بوزھے بادشاہ سے ملا ہی نہیں تھا۔
”اسے مطابقت کا اصول بتاتے ہیں، یونکہ زندگی کامیابی میں تمہاری ساتھی بننا چاہتی ہے۔“ بوزھے بادشاہ نے بتایا تھا۔ دکاندار بوزھے بادشاہ سے نہ ملنے کے باوجود لڑکے کی باتیں سمجھ سکتا تھا۔ آخر لڑکے کی اس کی دکان میں آمد بھی تو دکاندار کے لیے بذات خود ایک نیک شگون تھا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی آمدنی میں بہتری ہو رہی تھی۔ اسے کبھی ملال نہیں ہوا تھا کہ اس نے لڑکے کو ملازمت کیوں دی۔ وہ لڑکے کو تنخواہ کے علاوہ معقول کمیشن بھی دیتا تھا تاکہ وہ جلد اپنا ریوز بنا سکے۔

”تم ابرام مصر کیوں جانا چاہتے ہو؟“ اس نے شوٹس کا سوال کی ٹالنے کے لیے بات کا رخ بدلتے ہوئے لڑکے سے پوچھا۔ ”کیونکہ میں نے ان کی بہت تعریف سنی ہے۔“ لڑکا بولا۔ وہ دکاندار سے اپنے خواب کے متعلق کوئی ذکر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور یہ بھی بخرانہ بھی اس کے لیے تلخ یاد سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ اور اسے دہرائی ایک تکلیف دہ امر تھا۔

”میرا نہیں خیال کہ کوئی عقلمند انسان صرف ابرام مصر کو دیکھنے کے لیے اتنے بڑھے صحرا کو عبور کرنا پسند کرے گا۔“ دکاندار نے جواب دیا۔ ”اب ہم پتھروں کا یہ ذخیرہ ہیں جو تم بھی اپنے گھر کے صحن میں بنا سکتے ہو۔“
”ہاں جسے سیاحت کا شوق نہ ہو وہ بالکل ایسا نہیں کر سکتا۔“

اور وہ دکان میں داخل ہونے والے گاہک کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”مجھے تبدیلی شاید اس نہیں آتی۔“ دکاندار نے اگلے روز کہا۔

”سامنے کی دکان کا مالک حسن شاید خریداری میں مدد بھی کرے تو کاروبار کے حجم کی وجہ سے اسے کوئی قابل ذکر فرق نہیں پڑے گا۔ مگر ہمیں شاید اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتن پڑے گا۔“ اس کی بات میں وزن تھا۔

”لیکن تم شوکیس بنانا کیوں چاہتے ہو؟“ دکاندار نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”کیونکہ میں جہد از جہد اپنا ریوز مکمل کرنا چاہتا ہوں۔“ لڑکے نے جواب دیا۔

”جب قسمت ہمارے ساتھ ہو تو ہمیں اس کا پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے شاید یہی مطابقت کا اصول

ہے۔“ اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

”ہمارے نبی ﷺ نے ہماری رہنمائی کے لیے ایک کتاب اور اپنی سنت چھوڑی ہے۔“ دکاندار نے

خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔

”اور ہمیں اپنی زندگی میں صرف پانچ ارکان کو پورا کرنا ہے۔ سب سے اول تو یہ ہے کہ ہم اللہ کی

وحدانیت پر ایمان لائیں۔ پانچ وقت کی نماز پڑھیں۔ رمضان کے مہینے میں روزے رکھیں۔ غیریوں کی مدد

کے لیے زکوٰۃ دیں۔“ اس نے تھوڑا توقف کیا۔ لڑکا اس کی آنکھوں میں عقیدت کے آنسو دیکھ سکتا تھا جو پیغمبر

کے ذکر کے ساتھ نکل آئے تھے۔ وہ ایک سچے مسلمان تھا اور اپنی زندگی اسلام کے مطابق گزارنے کی کوشش

کرتا تھا۔

”اور پانچواں رکن کیا ہے۔“ لڑکے کا تجسس بڑھ رہا تھا۔

”دو دن قبل تم نے کہا تھا کہ مجھے شاید سفر کا شوق نہیں ہے۔“ دکاندار بولا

”اسلام کا پانچواں رکن حج ہے۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ایک بار مکہ مکرمہ میں خدا

کے گھر کی زیارت کرے۔“

”مکہ تو مصر سے بھی آگے ہے۔ جوانی میں صرف میری ایک خواہش تھی کہ کسی طرح اتنا پیسہ جمع کر لوں

کہ اپنا کاروبار کر سکوں اس طرح میں حج کے لیے رویہ جمع کر لیتا اور میری غیر موجودگی میں میرے خاندان

کی گزراوقات کا بندوبست بھی ہو جاتا۔ جب میرا کاروبار ختم ہو گیا تو مجھے ایسا کوئی آدمی نہیں مل سکا جس کے

حوالے میں اپنی دکان کر دیتا اور خود حج کے لیے روانہ ہو جاتا۔ اس دوران کئی قافلے میری دکان کے سامنے

سے گزرے، ان میں سے کچھ لوگ تو مالدار تھے جو اپنے قافلے میں ملازمین کی فوج کے ساتھ حج کو جا رہے

تھے۔ لیکن اکثریت غریب لوگوں کی ہوتی تھی۔ تمام عازمین حج خوش ہوتے تھے۔ ایک موچی بھی حج پر گیا

تھا۔ واپسی پر اس نے بتایا کہ اس صحرا کو عبور کرنے میں اسے ایک سال لگا لیکن اسے اتنی بھی تھکن نہیں ہوئی

جتنی اسے ”تاجیر“ کی گلیوں میں روزمرہ کے کاموں کے لیے چلنے کے دوران ہوتی تھی۔“

”تو آپ اب حج پر کیوں نہیں جاتے؟“ لڑکے نے استفسار کیا۔

”یہ مکہ جانے کی خواہش ہی ہے جو مجھے زندہ رہنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ ورنہ اس یکس نیت، ریک میں رکھے ہوئے ریشل کی خاموشی اور کینے کا بد مزہ کھانا تو مجھے اب تک مار چکے ہوتے۔ اگر میرا مکہ جانے کا خواب پورا ہو گیا تو پھر زندگی میں، کوئی امید باقی نہیں ہوگی جس کے سہارے میں زندہ رہوں گا۔“ تاجر نے جواب دیا۔

”تم بھی اپنا ریوڑ بنانے اور اہم مصرتک جانے کا خواب دیکھتے ہو۔ مگر مجھ میں اور تم میں فرق یہ ہے کہ تم اپنے خواب کو پورا کرنا چاہتے ہو اور میں صرف اپنے خواب کے سہارے زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ میں کئی دفعہ اپنے آپ کو چشم تصور میں صحرا عبور کرتے دیکھ چکا ہوں۔ خدا کے گھر میں جبر اسود کے سامنے اپنے آپ کو موجود پاتا ہوں اور خدا کے گھر کا طواف کرتا ہوں۔ لیکن یہ سب صرف تصورات میں ہوتا ہے۔ میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ میرے جانے والے میرے ساتھ ہیں، کوئی بانیں کوئی آگے ہوتا ہے اور کوئی عقب میں۔ میں صرف تصورات کی دنیا میں اپنے خواب کی تعبیر دیکھتا ہوں اور اس کے سہارے زندہ رہتا ہوں۔“ اسی روز اس نے لڑکے کو شکس بنانے کی اجازت دے دی۔ ہر کسی کے نصیب میں خواب کی تعبیر اتنی جلد نہیں ہوتی۔



شوکس نے واقعی گاہکوں کو متوجہ کیا اور دو ماہ کے عرصے میں دکان کی آمدنی کئی گنا بڑھ گئی۔ لڑکے نے حساب لگایا کہ مزید چھ ماہ کام کرنے سے بعد وہ نہ صرف پچھن جانے کے قابل ہو جائے گا بلکہ پہلے سے دو گنی بھیڑیں بھی خرید سکے گا۔ اس طرح ایک سال سے بھی کم عرصے میں نہ صرف اپنا ریوڑ وگنا کر چکا ہوگا بلکہ عربی پر عبور حاصل ہونے کی وجہ سے اس قابل بھی ہوگا کہ عربوں کے ساتھ کاروبار کر سکے گا۔

اس دن کے بعد اس نے ”یوریم اور تھومیم“ کو بھی کبھی استعمال نہیں کیا تھا شاید اس لیے کہ اہرام مصر اب اس کے لیے اسی طرح کا خواب تھا جیسا ج پر جانا دکاندار کا ایک خواب تھا۔ اب وہ کاروبار میں لطف محسوس کرتا تھا اور چشم تصور میں اپنے آپ کو طرفہ کی بندرگاہ پر ایک فاتح کی طرح دیکھتا تھا۔

”آدمی کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کیا چاہتا ہے۔“ بوڑھے بادشاہ نے کہا تھا۔

لڑکے کو اب معلوم تھا کہ وہ کیا چاہتا ہے اور شب و روز اس کے حصول کے لیے مصروف تھا۔ یہ خزانے

کا خواب ہی تھا جو اسے اس اجنبی زمین پر لایا تھا۔ اس کی ملاقات ایک لائبریر سے ہوئی اور اسی بہانے وہ اس قابل ہوا کہ وہ اپنا ریورڈ گنا کر سیکھ سکے اور اس سب کچھ میں اس کا کچھ خرچ بھی نہیں ہوا تھا۔ اسے اپنے آپ پر فخر تھا۔ اس نے سیکھ بھی بہت کچھ تھا مثلاً۔ ریشل کی پہچان، اغلاط سے بے نیاز غٹگو کا فن اور نشانیوں کی پہچان۔

”اس پہاڑی پر چڑھنے کے بعد انسان بہت تھک جاتا ہے۔ کاش اس چوٹی پر کوئی قہوہ خانہ ہوتا تو مشکل چڑھائی کے بعد گرم قہوہ پھلن مٹا دیتا۔“ ایک شامڑے نے پہاڑی پر ایک شخص کو کہتے سنا۔

اس نے اس نشانی کو پہچان لیا اور کاندار سے اس کا نام لیا۔

”ہمیں یہاں پر قہوہ خانہ کھولنا چاہیے۔“

”یہاں پر بہت سارے قہوہ خانے ہیں۔“ کاندار نے جواب دیا۔

”مگر ہم کرشل کی پیالیوں میں قہوہ پیش کریں گے اور یہ یقیناً کالوں کو متوجہ کرے گا۔ اور اس طرح ہمارے کرشل کی فروخت میں بھی اضافہ ہوگا۔ میں نے یہیں پر سنا تھا کہ وہ بصورتی مرد کی کمزوری ہے اور کرشل واقعی بہت خوبصورت ہوتا ہے۔“

کاندار نے اس وقت کوئی جواب نہیں دیا۔ شام نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب اس نے دکان بند کی تو لڑکے سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ حقہ پئے۔

”تمہیں کس چیز کی تلاش ہے؟“ کاندار نے لڑکے سے سوال کیا۔

”جیسا کہ میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا میں وہ بارہ اپنا ریورڈ بنا چاہتا ہوں۔“ لڑکے نے جواب دیا۔

”میں کرشل کے بارے میں وہ سب کچھ جانتا ہوں جو ایک کاندار کو معلوم ہونا چاہیے۔“ کاندار نے چم میں گ کو کرید اور پھر حقے کا ٹہر آتش دیتے ہوئے بولا۔

”مجھے کرشل کی پہچان ہے اور اس کی خصوصیات بھی معلوم ہیں اگر ہم کرشل کے گلاس میں قہوہ پیش کریں گے تو ہمیں دکان کو بھی کھلا کر تاپڑے گا اور پھر میرا طرز زندگی بھی بالکل بدل جائے گا۔“

”تو کیا یہ اچھا نہیں ہے۔“

”میں اپنی زندگی سے بالکل مطمئن ہوں۔ تمہارے آنے سے قبل میں ضرور سوچا کرتا تھا کہ میں نے اس جگہ پر اپنی زندگی برباد کر دی ہے۔ میرے ساتھ کاروبار کرنے والے دوسری جگہ پر چھ گئے تھے اور ان کا کاروبار بھی بہت اچھا جا رہا ہے۔ یہ سب مجھے بہت مایوس کرتا تھا۔ لیکن اب یہ چیز بدل گئی ہے۔ میں زیادہ تبدیلی سے اس لیے ریز کرتا ہوں کہ مجھے نہیں معلوم کہ بدنی ہوئی صورت میں میرا وہ یہ کیسا ہونا چاہیے میں اپنے معمول کا عادی بن چکا ہوں۔“

لڑکے کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

دکاندار نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا ”تم، قہقی میرے لیے خوش قسمتی لے کر آئے ہو۔ آج مجھے وہ ملا ہے جو مجھ سے کھو چکا تھا۔ اگر خوش قسمتی کو قبول نہ کیا جائے تو خدشہ ہوتا ہے کہ وہ بد قسمتی میں بدل جاتی ہے۔ میں زندگی سے مزید کسی چیز کا متمنی نہیں ہوں۔ مگر تم میرے اندر خواہش کو بیدار کرتے ہو اور مجھے نئی امید دلاتے ہو۔ اب جبکہ مجھ میں خواہش بیدار ہو چکی ہے اور میں امید کی نئی کرن دیکھ سکتا ہوں اور میں محسوس کر سکتا ہوں کہ میرے کاروبار میں وسعت کی بے انتہا گنجائش ہے۔ اب جبکہ مجھے معلوم ہے کہ میں کیا کر سکتا ہوں اور اگر میں ایسا نہیں کرتا تو یہ مجھے ۱۰۰ بارہا پسندیدی میں دھکیل دے گا۔“

”اچھا ہی تھا کہ میں نے ”طرفہ میں بیکری والے سے چھ بھی کہنے سے گریز کیا تھا۔“ لڑکے نے سوچا۔
دونوں حقہ پیتے ہوئے، دوتے ہوئے سورن کا نظارہ کر رہے تھے۔

فضا میں گہرا سکوت تھا سوائے حقے کی ٹڑٹڑاہٹ کے۔

ان کے درمیان تمام گفتگو عربی میں ہو رہی تھی اور لڑکے کو فخر تھا کہ بہت کم وقت میں اس نے عربی پر عبور حاصل کر لیا تھا۔ ایک وہ وقت بھی تھا جب اسے لگتا تھا کہ وہ اپنی بھیڑوں سے سب کچھ سیکھ سکتا ہے۔ آج اسے معلوم ہوا کہ اس کی بھیڑیں اسے عربی نہیں سکھا سکتی تھیں۔ اس کے علاوہ بھی شاید بہت سی چیزیں ہیں جو بھیڑیں اسے نہیں سکھا سکتی تھیں انکی زندگی کا مقصد تو صرف چارہ اور پانی ہی ہے۔

”بھیڑیں مجھے کچھ نہیں سکھا رہی تھیں بلکہ میں ان سے سیکھ رہا تھا۔“ اس نے سوچا

”مکتوب۔“ دکاندار نے سکوت توڑا۔

”اس کا کیا مطلب ہے۔“ لڑکے نے پوچھا۔

”اس کا مطلب سمجھنے کے لیے تمہیں عرب میں پیدا ہونا چاہیے تھا۔“

دکاندار بولا ”تمہاری زبان میں شاید اس کا مطلب ہے ”جو قسمت میں لکھا ہے۔“

اس نے چلم کی آگ کو کریدتے ہوئے لڑکے کو اجازت دی کہ وہ کل سے کرشل کے گلاس میں قہوہ بیج

سکتا ہے۔

”کبھی کبھی دریا کا رخ موڑنا ناممکن ہوتا ہے۔“



جب لوگ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچے تو تھکن کے آثار ان کے چہروں پر عیاں تھے لیکن وہ قبوہ خانہ دیکھ کر حیران ہوئے۔ قبوہ خانے میں قبوہ ریشل کے گلاسوں میں پیش کیا جاتا تھا۔

”میری بیوی شاید اس کا تصور بھی نہ کر سکے۔“ ایک گاہک نے دوسرے سے کہا ”آج میرے گھر میں مہمان آنے والے ہیں میں بھی ان کو ریشل کے گلاسوں میں قبوہ پیش کروں گا۔ وہ بھی یقیناً متاثر ہونگے۔“

”یقیناً قبوہ اگر کریشل میں پیش کیا جائے تو اس کا لطف و بابا ہو جاتا ہے۔“ دوسرے نے جواب دیا۔

بہت جلد قبوہ خانے کی شہرت پورے شہر میں پھیل گئی۔ لوگ کثیر تعداد میں قبوہ خانے میں آنے لگے۔ اس کی دیکھا دیکھی پہاڑی پر اور بھی نئی قبوہ خانے کھل گئے۔ مگر لوگوں کی جو بھیڑ اس قبوہ خانے پر رہتی تھی وہ کسی اور کا مقدر نہیں تھی۔ دکاندار کو قبوہ خانے میں مزید کئی ملازم رکھنے پڑے۔ اس کی چائے کی درآمد میں کئی لگن اضافہ ہو گیا اور کریشل کی فروخت بھی اسی رفتار سے ترقی کر رہی تھی۔



نڑکا صبح جلد بیدار ہو گیا۔ آج اسے تانجیہ میں آئے ہوئے گیارہ مہینے ہو گئے تھے اس نے خاص آج کے دن کے لیے عربی لباس خریدا تھا۔ یہ لباس پہن کر اس نے آہستہ آہستہ سیر حیاں اترنا شروع کیں۔ شہر پر ابھی تک نیند کا سکوت طاری تھا۔

وہ قبوہ خانے میں آیا اور پہلے اس نے ریشل کے گلاس میں قبوہ پیا۔ پھر قبوہ خانے کے دروازے میں بیٹھ کر حقے کے چھوٹے چھوٹے کش لینے لگا۔ وہ اپنے چہرے پر تازہ ہوا محسوس کر سکتا تھا۔ اس ہوا میں صحرا کی مہک رچی ہوئی تھی۔

اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور رقم کا بند نکال کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ ”اس رقم سے میں 120 بھیڑیں خریدنے کے علاوہ وہ نہ صرف ایسی کالکٹ لے سکتا تھا بلکہ افریقہ سے تجارت کرنے کے لیے درآمدی لائسنس بھی لے سکتا ہوں۔“ اس نے سوچا۔ یہ سب کچھ اس نے پچھلے گیارہ ماہ میں کمایا تھا۔

وہ دکاندار کے بیدار ہونے کا اتنی رات نہ گزری تھی۔

جب دکاندار آیا تو وہ دکان میں ایک کاس قبو لے آیا اور قبو خانے کے ایک کونے میں بیٹھ گئے۔

”جج میں جا رہا ہوں۔“ لڑکے نے المشاف یا۔

”میرے پاس اتنی رقم ہے کہ میں اپنا ریوڑ بنا سکتا ہوں۔ اور آپ کے پاس بھی اتنی رقم ہے کہ آپ جج

کے لیے روانہ ہو سکتے ہیں۔“ دکاندار خاموشی سے اس کی بات سن رہا تھا۔

”کیا آپ مجھے اپنی باتوں میں رخصت کریں گے۔“ لڑکے نے دکاندار سے سوال کیا۔

آپ نے میری بہت مدد کی ہے۔“ لڑکے نے اپنی بات جاری رکھی۔

دکاندار مسلسل خاموش تھا اس نے گلاس میں مزید قبو ڈال دیا اور پہلی بار بولا۔

”مجھے واقعی تم پر فخر ہے۔ تم نے میرے کاروبار بہت ترقی دی لیکن تمہیں معلوم ہے کہ میں مکہ نہیں

جاؤں گا جس طرح سے کہ مجھے معلوم ہے۔ تم ریوڑ نہیں بناو گے۔“

”آپ سے کس نے کہا ہے کہ میں ریوڑ نہیں بناؤں گا؟“ لڑکے نے حیرت کا اظہار کیا۔

”مکتوب۔“ دکاندار نے اس کے ہاتھ میں جوٹی سے اپنی نیک تمناؤں کے ساتھ رخصت کیا۔



لڑکے نے کمرے میں جا کر اپنا سامان باندھا۔ جب وہ یہاں آیا تھا تو اس کے پاس صرف ایک تھیلا

تھا جس میں ایک کتاب اور ایک جیکٹ تھی۔ آج اس کے پاس اتنا سامان تھا کہ تین تھیلے بھر گئے، جب وہ

کمرے سے روانہ ہونے لگا تو اس کی نظروں نے میز پر اپنے بوسیدہ تھیلے پر پڑی۔ وہ اسے بالکل بھول چکا

تھا۔ اس نے تھیلا اٹھایا اور اس میں سے جیکٹ نکال تاکہ گلی میں کسی غریب کو دے دے۔ جیکٹ کے ساتھ دو

پتھر نکل کر فرش پر گر پڑے ”یوریم اور تھومیم“ ان پتھروں کو دیکھ کر اسے بوڑھا بادشاہ یاد آ گیا۔ اسے حیرت ہوئی

کہ وہ اتنا عرصہ سے نیسے بھوار رہا تھا۔ اس نے تقریباً ایک سال سخت محنت کی تاکہ اتنی رقم جمع کر سکے کہ فخر

کے ساتھ چین واپس جاسکے۔

”کبھی بھی خواب دیکھنے سے گریز نہ کرنا۔“ بوڑھے بادشاہ نے کہا تھا۔

اس نے ”یوریم اور تھومیم“ کو فرش سے اٹھایا اور اس کے ساتھ ہی اسے ایسے محسوس ہوا جیسے بوڑھا

بادشاہ اس کے قریب ہی موجود ہو۔

ایک سال کی سخت محنت کے بعد بشارت یہ وقت آ گیا تھا کہ وہ ایسی کامیابی کا سفر اختیار کر سکے۔

”میں واپس جا کر دو بارہ روز بنوں گا۔ باوجود اس کے کہ بھیڑوں کے ساتھ رہ کر میں عربی نہیں سیکھ سکا تھا۔“ اس نے سوچا۔

”لیکن بھیڑوں کے ساتھ رہ کر میں نے شاید اس سے بھی زیادہ اہم چیز سیکھی تھی ایسی چیز جس کا استعمال میں نے دیار غیب میں اپنے قیام کے دوران مسلسل کیا۔ اسی کی وجہ سے میں کرشل کے کاروبار کو عروج پر لایا اور اسی کے زور پر ہی میں ایک کامیاب اور بے مثال قبوہ خانہ بنانے میں بھی کامیاب ہو سکا۔

وہ چیز تھی ”جذبہ“ کا مے انجمنیہ کی محبت اور اپنے مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا۔“

تانیچہ اب اس کے لیے اجنبی جذب نہیں تھی اور اس کا خیال تھا کہ اس نے اس اجنبی جگہ کو فتح کیا تھا۔ اس طرح وہ جذب اور ملن سے وہ پوری دنیا فتح کرنے کے قابل تھا۔

”جب تم چھوڑنے کا ارادہ رکھو تو کائنات کی ہر شے اس کے حصول میں تمہاری مدد کے لیے کوشاں ہو جاتی ہے۔“ اسے بوڑھے بادشاہ کی بات یاد آئی۔

پھر اسے خیال آیا کہ بوڑھے بادشاہ نے سب کچھ ٹٹ جانے کے بارے میں تو کچھ بھی نہیں کہا تھا اور نہ ہی تاحد نظر پھیسے ہوئے صحرا کے بارے میں۔ اور نہ ان لوگوں کے بارے میں کچھ بتایا تھا جو یہ تو جانتے ہیں کہ ان کی منزل کیا ہے اور ان کی زندگی کا مقصد یہ ہے مگر وہ اس کے حصول کے لیے کبھی بھی تیار نہیں ہوتے۔ بوڑھے بادشاہ نے یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ اب اس مقصد پتھروں کے ایک ڈھیر سے زیادہ کچھ نہیں تھے۔ اور ہر کوئی ایسے اہرام اپنے صحن میں بنا سکتا تھا۔ وہ یہ بتانا بھی بھول گیا تھا کہ اگر اس کے پاس اتنی رقم ہو کہ وہ دوبارہ سے ریوز خرید سکے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟

لڑکے نے تھیل اٹھایا اور اسے اپنے سامان کے ساتھ رکھ دیا۔ وہ میزھیوں سے نیچے اتر اور دکان میں چلا گیا دکاندار وہ غیر ملکی مہمانوں کے ساتھ مصروف تھا اور کئی لوگ قبوہ خانے میں قبوے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ”ج معمول سے زیادہ ہماگہمی تھی۔ آج پہلی بار اس نے غور سے دیکھا تو ایسا لگا کہ دکاندار کے بالوں کا رنگ بوڑھے بادشاہ کے بالوں جیسا تھا۔ اس کے ساتھ اسے یہ بھی یاد آیا کہ اس مٹھائی والے کی مسکراہٹ جس سے وہ تانیچہ میں پہلی بار ملا تھا۔ وہ بھی بوڑھے بادشاہ کی مسکراہٹ جیسی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے بوڑھا بادشاہ یہاں بھی اپنے نشان چھوڑ گیا ہو اور یہ بھی حقیقت تھی کہ ان سب میں سے کوئی بھی بوڑھے بادشاہ سے نہیں ملا تھا۔ اور دوسری طرف اس کا بہن تھا کہ وہ ہمیشہ ان لوگوں کی مدد کے لیے موجود ہوتا ہے جو اپنی

منزل کی تلاش کی جستجو کرتے ہیں۔

اس نے رخصت ہوتے ہوئے کاندار کو الوداع بھی نہیں کہا۔ وہ عام لوگوں کی طرح الوداع ہوتے ہوئے لوگوں کے سامنے آنسو نہیں نکال سکتا تھا۔ اسے اس جگہ کے چھوڑنے کا افسوس ہمیشہ رہے گا اور یہاں کے لوگ بھی یاد آئیں گے۔

وہ آج اپنے آپ کو بہت مضبوط محسوس کر رہا تھا اس طرح جیسے وہ اس قابل ہو گیا ہو کہ پوری دنیا فتح کر سکے۔

”میں واپس اپنے وطن جاؤں گا اور اپنا ریوڑ بناؤں گا۔“ اس نے اپنے آپ سے کہا۔

مگر وہ اپنے اس فیصلے سے مطمئن نہیں تھا۔ اس نے ایک سال تک سخت محنت کی تھی تاکہ اپنے خواب کی تعبیر ڈھونڈ سکے اور آج ہ کزرنے والے لمحے کے ساتھ اس کا خواب اس کے لیے اہمیت کھو رہا تھا۔ ایسا شاید اس لیے تھا کہ یہ اس کا خواب تھا ہی نہیں۔ ”اے معصومہ، کاندار کی طرح اپنے خواب کی تکمیل کے لیے مکہ جانے سے تمام زندگی اس خواب کی قبیہ کے انتظار میں گزارنا بہتر ہے۔“

اس نے اپنے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

لیکن جیسے ہی اس نے بخیلی میں اپنا ہاتھ تھپے میں ڈالا تو ”یوریم اور تھومیم“ اس کے ہاتھ میں آ گئے۔ اور جیسے ہی اس کا ہاتھ پتھروں سے چھوا، اسے ایسا لگا جیسے بوڑھے بادشاہ کی تمام تر توانائیاں اس میں منتقل ہو گئی ہوں۔

”یہ محض ایک اتفاق تھا یا نشانی۔“ کزرنے سے سچا۔

وہ چلتے چلتے اس قبوہ خانے میں پہنچ گیا جہاں وہ پہلے روز آیا تھا آج یہاں کوئی لیزر نہیں تھا۔ لیکن قبوہ خانے کے مالک نے اسے مسکراہٹ کے ساتھ قبوہ پیش کیا۔

”میں اگر چاہوں تو اپنے ملک میں جا سکتا ہوں اور پہلے سے بھی بڑا ریوڑ بنا سکتا ہوں۔ مجھے گلہ بانی کے گرا بھی تک یاد ہیں۔ مگر شاید مجھے ابراہم مصر تک جانے کا موقع دوبارہ مل سکے۔ بوڑھے نے سونے کی زرہ بھی پہنی رکھی تھی اور اسے میرے ماضی کے بارے میں بھی علم تھا۔ وہ واقعی بادشاہ تھا۔ ایک دانا بادشاہ۔“ اس نے سوچا اندلس کے پہاڑ صرف دو گھنٹے کے فاصلے پر تھے لیکن ابراہم مصر تک پہنچنے کے لیے ایک طویل صحرا عبور کرنا ضروری تھا لیکن تصویر کا ایک اور رخ بھی تو تھا، اس نے دل میں سوچا ”کہ میں اپنی منزل سے دو گھنٹے مزید قریب ہو گیا ہوں۔“

یہ علیحدہ بات ہے کہ یہ دو گھنٹے پچھلے ایک سال پر محیط ہو گئے تھے۔ لیکن اب اس بات سے زیادہ فرق نہیں پڑتا تھا۔

”میں ریوڑ اس لیے لینا چاہتا ہوں کہ گلہ بانی میرے لیے ایک آزمودہ کام ہے۔ بھینریں میرے لیے اجنبی نہیں ہیں جب کہ مجھے نہیں معلوم کہ صحرا کا سفر کیسا ہوتا ہے اور صحرا انسان کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہے ایک انجانی چیز کا خوف؟“ اس نے دل میں سوچا۔

لیکن یکدم اس پر مسرت کا انجانی سا احساس طاری ہو گیا۔

”میں جب چاہوں ریوڑ خرید سکتا ہوں یا پھر کرشل کا کاروبار شروع کر سکتا ہوں۔ میں ایک دانا سے بھی مل چکا ہوں جس سے ملنے کا شرف شاید بہت کم لوگوں کو حاصل ہوا ہوگا۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔“ اس نے سوچا قبوہ خانے سے نکلنے۔ بعد بھی اس کے سوچنے کا عمل جاری تھا۔

اسے یاد آیا کہ کرشل فروش نو مال بیچنے والے ایک تاجر۔ قافے صحرا کے پار بھی مال لے کر جاتے تھے اس نے ”یوریم اور تھومیم“ ہاتھ میں لیا۔ یہ انہیں پتھروں کی وجہ سے ہوا کہ وہ دوبارہ اپنی منزل کی طرف گامزن تھا۔

”جب بھی کوئی اپنی منزل کی تلاش میں نکلتا ہے تو میں ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔“ اسے بوڑھے بادشاہ کے الفاظ یاد آئے۔ اور اس نے قدم دکاندار و مال پہنچانے والے تاجر کی دکان کی طرف اٹھنے لگے۔



انگریز ایک بیچ پر بیٹھا ہوا تھا۔ ماحول میں جانوروں کے پسینے، گھاس اور مٹی کی ملی جلی بو پھیلی ہوئی تھی۔ یہ احاطہ گودام بھی تھا اور جانوروں کا بازار بھی۔ ”میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں ایسی غلط جگہ پر آؤں گا“ انگریز نے کتاب لی ورق برداری کرتے ہوئے سوچا۔ ”میں نے دس سال انگریز کی بہترین یونیورسٹیوں میں علم کیمیا پڑھا ہے اور آج میں اس بازارے میں ہوں۔“

لیکن اس کی قسمت میں یہ سفر اسی طرح لکھا ہوا تھا اسے بھی نیشیوں پر اعتقاد تھا۔ اس کی تمام زندگی ایک تلاش کے گرد محیط تھی۔ کسی زبان کی تلاش جو پوری کائنات کی زبان ہو۔ اس نے پہلے اسپرانتو سیکھی۔ وہ دنیا کے تمام مذاہب کے بارے میں بھی اچھی سمجھ بوجھ رکھتا تھا۔ لیکن ابھی تک وہ کیمیا گرنہیں بن سکا تھا، اس نے کئی اہم سوالات کے جوابات تو تلاش کر لیے تھے لیکن کچھ عرصے سے اس کا علم ایک نقطے پر آکر رک گیا تھا۔ جہاں سے آگے بڑھنے کا راستہ اسے نہیں مل رہا تھا۔ اس نے ایک کیمیا گر سے تعلقات بھی بڑھانے کی کوشش کی مگر بے سود۔

کیمیاگر دراصل بہت ہی عجیب طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔ خود غرض اور حاسد اور علم کو اپنی ذات تک محدود رکھنے والے۔ یہ بھی کوئی بڑی بات نہیں ہے کہ ان کے پاس علم ہی نہ ہو وہ اہم اعظم جو ہر شے کو سونے میں بدل دے۔ اور وہ اپنی مہم کو چھپاتے ہیں۔ وہ اپنے باپ کی طرف سے ترکے میں ملنے والی جائیداد کا بیشتر حصہ پہلے ہی خرچ کر چکا تھا۔ اس نے دنیا کی تمام بڑی انگریزیوں چھان ماریں اور علم کیمیا پر دستیاب تمام کتب کا مطالعہ کر چکا تھا۔

ایک کتاب میں اس نے پڑھا کہ نئی سال قبل ایک مشہور عرب کیمیاگر کا گزر یورپ سے ہوا۔ اس کی عمر دوسو سال سے زیادہ تھی اور اس سے پاس ایسا اہم اعظم تھا جو تمام اشیاء کو سونے میں بدلنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ انگریز کو یہ کہانی بہت متاثر کن لگی تھی لیکن وہ اسے ایک افسانوی کردار سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا۔ پھر اس کی ملاقات اپنے ایک پرانے دوست سے ہوئی جو کئی سال مصر کے صحرا میں آثار قدیمہ کی تلاش میں مصروف رہا تھا۔ اس سے اس نے ایک ایسے عرب کا ذکر کیا جس کے پاس حیرت انگیز طاقت تھی۔

”وہ نخلستان حبشہ میں رہتا تھا۔ اس سے دوستی نہ تیار۔“

”اور لوگ کہتے ہیں اس کی عمر دوسو سال ہے اور وہ بتاتے ہیں کہ میں بدلنے کا فن جانتا ہے۔“

انگریز اس نئے انکشاف پر بہت مسرور تھا۔ اس نے ملازمت سے استعفیٰ دیا۔ اپنی اہم کتب کو ساتھ لیا اور آج وہ یہاں بدبودار ہاڑے میں صحرا کے سفر پر روانہ ہونے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ ہاڑے کے باہر ایک بہت بڑا قندسفریہ روانہ ہونے کے لیے تیار تھا۔ اس قافلے نے نخلستان الفیوم سے گزر کر جانا تھا۔

ایک عرب نوجوان جس نے سندھوں پر سامان اٹھا رہا تھا ہاڑے میں داخل ہوا اور انگریز سے سلام لیا۔

”تم کہاں جا رہے ہو۔“ نوجوان عرب نے پوچھا۔

”میں بھی صحرا نورد ہوں۔“ انگریز نے ترشی سے جواب دیا۔ وہ گفتگو سے زیادہ کتاب پڑھنے میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ الفیوم پہنچنے سے پہلے اپنے علم کو دہرا لے۔ اس کا خیال تھا کہ عرب کیمیاگر اسے اپنا شاگرد بنانے سے پہلے اس کا امتحان لے گا۔

نوجوان عرب نے بھی ایک کتاب نکالی اور پڑھنے لگا یہ کتاب ہسپانوی زبان میں تھی۔

برطانوی بھی ہسپانوی زبان جانتا تھا۔ اسے خوشی ہوئی کہ راستے میں کوئی تو ہوگا جس سے وہ آسانی

سے گفتگو کر سکے گا۔ یونہی اسے عربی پر عبور حاصل نہیں تھا۔



”بہت ہی عجیب“ ٹکابو۔۔۔ وہ کتاب کے آغاز میں یہ ہوتے تھے کہ منظر کو پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”میں دوسرے سے یہ کتاب پڑھنے کی ہمت نہ کر رہا ہوں اور چند صفحات سے آگے نہیں بڑھ سکا۔“
اس کے ذہن میں بھی تک اپنا ٹیبلٹ لے کر اسے میں ابھرتا تھا۔ لیکن ایک چیز بہت واضح تھی کہ
”فیصلے تک پہنچنا سفر کا پہلا قدم ہے“ جب بھی کوئی فیصلہ کرتا ہے تو دراصل طوفانی لہروں میں چھلانگ لگاتا ہے
جو اسے کسی جگہوں تک پہنچا کر لے جاتی ہیں جہاں سے اس کا سفر اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا ہوتا۔
”جب میں نے خزانے کی تلاش میں نکلنے کا فیصلہ کیا تو مجھے نہیں معلوم تھا کہ مجھے کرسٹل کی دکان میں
مذاہمت کرنی پڑے گی۔ اس قافے میں شامل ہونا تو محض میرا ایک فیصلہ ہے مگر یہ قافلہ مجھے کہاں لے جاتا
ہے یہ فی الحال ایک معمہ ہے۔“

قریب بیٹھے ہوئے انگریز کا رویہ یہ غیبی، مستانہ نہ تھا۔ ٹکابو نے کتاب بند کر دی۔ وہ اب کوئی بھی عمل
نہیں کرنا چاہتا تھا جو اسے انگریز سے مماثل کر دے۔ اس نے اپنی جیب سے ”یوریم اور تھومیم“ نکالے اور
انہیں اچھاان شروع کر دیا۔

”یوریم اور تھومیم؟“ انگریز کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔
”یہ بیچنے کے لیے نہیں ہیں۔“ وہ حدی سے پتھروں کو جیب میں ڈالتے ہوئے بولا۔
”اور ان کی کوئی خاص قیمت بھی نہیں ہے۔“ انگریز نے جواب دیا۔
”یہ صرف پہاڑی کرسٹل ہیں اس طرح کے ٹائٹوں پتھر مل جائیں گے۔ لیکن صرف جاننے والوں کو ہی
پتہ ہے کہ یہ ”یوریم اور تھومیم“ ہیں مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ اس علاقے میں بھی موجود ہیں۔“
”یہ مجھے ایک بادشاہ نے تحفے میں دیا تھا۔“ ٹکابو نے جواب دیا۔

انگریز نے کوئی جواب دینے کی بجائے جیب میں ہاتھ ڈالا اور اس طرح کے دو پتھر باہر نکالے۔
”بادشاہ نے تم سے کیا کہا؟“

”شاید تمہیں یقین نہیں رہا کہ مونی با شاہ مجھ جیسے غریب چرواہے سے بات کرنا پسند کرے گا۔“
 ”بالکل بھی نہیں“ یہ چرواہے ہی تو تھے جنہوں نے دنیا میں پہلے بادشاہ کی بادشاہت کو تسلیم کیا تھا۔
 انگریز بولا۔

”یہ سب میں نے بائبل میں پڑھا ہے اور بائبل میں ہی میں نے یوریم اور تھویم کے بارے میں پڑھا تھا۔“
 انگریز نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بتایا۔ ”مستقبل بنی کی صرف یہ صورت خدا کی طرف سے منع نہیں ہے۔ پادری یہ پتھر سونے کی زرہ میں جڑ پھنتے ہیں۔“

لڑکے کے چہرے پر حیرانی اور خوشی کا ماحول تھا۔ اسے بہت خوشی ہوئی کہ وہ اس بارے میں آیا۔
 ”شاید یہ بھی ایک نشانی ہے۔“ انگریز بولا۔

”تمہیں نشانیوں کے بارے میں اس نے بتایا ہے؟“ لڑکے کی حیرت مسلسل بڑھتی جا رہی تھی۔
 ”زندگی میں ہونے والی ہر بات ایک نشانی ہے۔“ انگریز نے جواب دیا۔

”دنیا میں ایک عالمگیر زبان ہے۔ لیکن فوس یہ ہے کہ ہم اسے بھلا چکے ہیں۔ میں اور چیزوں کے
 عدو اس عالمگیر زبان کی تلاش میں ہوں اور اس لیے میں یہاں آیا ہوں۔ مجھے اس شخص کی تلاش ہے جو یہ
 زبان جانتا ہے۔ وہ ایک کیسیا کر ہے۔“ انگریز نے اپنی بات جاری رکھی۔

اسی دوران گودام کا مالک آگیا۔

”آپ دونوں بہت خوش قسمت ہو آئی ہیں ایک قافلہ انشورم جا رہا ہے۔“ گودام کا مالک بولا۔
 ”مگر مجھے تو مصر جانا ہے۔“ لڑکا جلدی سے بولا۔ اس کے چہرے سے پریٹنی عیاں تھی۔

”العبود مصر ہی میں ہے۔ تم اس قسم کے عرب ہو جسے اپنے جغرافیے کا ہی علم نہیں ہے۔“ گودام کا
 مالک بولا۔

”یہ بھی ایک نشانی ہے۔“ مالک گودام کے جانے کے بعد انگریز بولا۔

”میں کبھی ایک انسائیکلو پیڈیا لکھوں گا جس میں صرف ’قسمت‘ اور ’محض اتفاق‘ کے بارے میں
 معلومات ہوں گی اور انہی دو الفاظ پر مشتمل ہے۔“

اس نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے مزید کہا ”یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ تم مجھے اس جگہ اس
 طرح ملے کہ تمہارے ہاتھ میں یوریم اور تھویم تھے اور نہ ہی یہ اتفاق ہے کہ ہم دونوں اپنی قسمت کی
 تلاش میں ہیں۔“

”میں اپنا خزانہ تلاش کرنے نکلا ہوں۔“ لڑکا بولا۔ مگر اسے فوراً احساس ہوا کہ اسے انگریز کو خزانے کے بارے میں نہیں بتانا چاہیے تھا۔ لیکن انگریز نے خزانے میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی۔

”ایک طرح سے میں بھی خزانے کی تلاش میں ہی آیا ہوں۔“ انگریز نے جواب دیا۔



”میں اس قافلے کا سردار ہوں۔“ ایک بار لیش آدمی بولا۔

”اس قافلے میں موجود ہر آدمی کی زندگی اور موت خدا کے بعد میرے اختیار میں ہے۔ صحرا ایک خوبصورت و شیزہ کی مانند ہے جو مردوں کے ہوش اڑا دیتی ہے۔“

یہ قافلہ دو سو افراد اور چار سو جانوروں پر مشتمل تھا۔ قافلے میں بچے، خواتین اور مرد شامل تھے۔ کچھ مردوں نے اپنی کمر کے ساتھ تلواریں باندھ رکھی تھیں۔ اور بچہ کے کندھوں پر راغلیں تھیں، انگریز کے سامان میں کئی سوٹ کیس تھے جن میں کتابیں بھری ہوئی تھیں۔

”قافلے میں بہت سے لوگ ہیں۔“ سردار نے اپنی بات جاری رکھی۔ شور کی وجہ سے اسے اپنی بات بار بار دہرائی پڑ رہی تھی۔ ”ہر ایک کے اپنے نظریات ہیں لیکن میں ایک خدائے واحد پر یقین رکھتا ہوں اور میں اسی کی قسم کھا کر عہد کرتا ہوں کہ ہر ممکن کوشش کروں گا کہ ہم سب خیریت سے صحرا عبور کر لیں۔ اور میں آپ سے بھی گزارش کروں گا کہ آپ لوگ بھی میرے ساتھ عہد کریں کہ آپ میرے حکم کی تعمیل کریں گے۔ صحرا میں نافرمانی کا مطلب صرف اور صرف موت ہوتا ہے۔“

قافلے میں ہلکا سا شور تھا۔ تمام لوگ زیرِ لب عہد کر رہے تھے۔ لڑکے نے بھی یسوع کی قسم کھا کر عہد کیا کہ وہ سردار کے ہر حکم کی تعمیل کرے گا۔ انگریز البتہ خاموش تھا۔ لوگ دعا کر رہے تھے کہ قافلہ خیریت سے اپنی منزل پر پہنچ جائے۔

بگل کی آواز پر تمام لوگ اپنی اپنی ساریوں پر سوار ہو گئے۔ انگریز اور لڑکے کے پاس اونٹ تھے وہ بھی ان پر سوار ہو گئے۔ لڑکے کو انگریز کے اونٹ پر ترس آ رہا تھا جس کی پیٹھ پر انگریز کے علاوہ اس کی کتابوں کے کئی بکسے بھی لدے ہوئے تھے۔

”دنیا میں محض اتفاق نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔“ انگریز نے گفتگو کا سلسلہ وہیں سے جوڑا جہاں سردار

کی تقریر کی وجہ سے منقطع ہوا تھا۔

”میں یہاں پر اس لیے موجود ہوں کہ ایک دوست نے مجھے ایسے عرب شخص کے بارے میں بتایا۔“
کارواں روانہ ہونے کی وجہ سے بڑے سے ایسے انگریز کی باتوں پر توجہ دینا مشکل ہو رہا تھا۔ لیکن وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ انگریز کیا کہنا چاہ رہا تھا۔

ایک طسمانی چہرہ جو ایک واقعہ دور سے واقعے ساتھ منسلک کرتا ہے۔

اسی چکر نے اسے پہلے چرواہا بنایا۔

سی چکر کی وجہ سے اسے بار بار خواب نظر آیا اور پھر وہی چکر اسے افریقہ کے صحرا میں لایا جہاں اسے لٹنے کے بعد کرشل فروش سے ملنا تھا اور

”جیسے جیسے کوئی اپنی منزل کے قریب ہوتا جاتا ہے اتنا ہی منزل اس کی تخلیق کا سچا مقصد دکھائی دینے لگتی ہے۔“ لڑکے نے سوچا۔

قافلے نے مشرق کی سمت اپنا سفر شروع کیا۔ قافلہ صبح کے وقت چلتا تھا۔ دوپہر سے پہلے جب دھوپ کی شدت بڑھ جاتی تھی قافلہ رک جاتا تھا اور شام کے وقت اپنے سفر کا دوبارہ آغاز کرتا تھا۔ انگریز سفر کے دوران مطاعے میں مصروف تھا۔ لڑکا خاموشی سے جانوروں اور انسانوں کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ اب منظر بالکل بدل چکا تھا۔ اور وہ صحرا کے بچوں کی طرح سفر کر رہے تھے۔ قافلے میں بچوں کی چیخوں اور جانوروں کی آوازوں کا نہ تھمنے والا شور تھا اور ماحول میں جانوروں کی مخصوص بو تھی اور گائیڈز کی چیخ و پکار۔ اگر کسی چیز کو داما تھا تو وہ صحرا کی مخصوص بو اور جانوروں کے قدموں کی آواز تھی۔

”میں نے یہ صحرا اس سے قبل بھی جی بار عبور کیا ہے۔“ ایک بدی بان بولا۔ ”لیکن صحرا اتنا وسیع ہے اور افق اتنا دور کہ انسان کو نہ آپ بہت حقیر لگتا ہے۔ شاید اس لیے انسان صحرا کی ہیبت سے خاموش رہتا ہے۔“
ہدی بان کی بات سڑکے کی سمجھ میں آ رہی تھی حالانکہ اس نے اس سے قبل صحرا میں قدم نہیں رکھا تھا۔ جب بھی کبھی اس نے سمندر کو دیکھا یا آگ کا مشاہدہ کیا تو فوراً اس پر ان کی لافانی طاقت نے اثر چھوڑا تھا۔
میں نے بھیڑوں سے بہت کچھ سیکھا اور میں نے کرشل فروش سے بھی کافی نئی باتیں سیکھیں۔“ لڑکے نے سوچا۔ ”میں صحرا سے بھی بہت کچھ سیکھوں گا۔“ صحرا اسے عمر رسیدہ اور دانا لگا۔

ہوا مسلسل چل رہی تھی۔ لڑکے کو یاد آیا کہ اسی ہوا کو اس نے طرفہ کے قلعے کی فصیل پر بیٹھ کر اپنے چہرے پر محسوس کیا تھا۔ اس خیال نے اسے اپنی بھیڑوں کی یاد دلادی۔ بھیڑیں اب بھی اندلس کی چراگا ہوں

میں چارے اور پانی کی تلاش میں ہمیشہ کی طرح ماری ماری چم رہی ہوں۔

”نہیں اب وہ میری بھیڑیں نہیں ہیں۔“ اس نے اپنے آپ سے کہا۔

”اب تک وہ اپنے نئے مالک کے ساتھ مانوس ہو چکی ہوں گی اور مجھے بھول چکی ہوں گی۔ چلو اچھا ہی

ہے کہ بھیڑیں اس کام میں مہم ہیں۔ وہ کوئی فمزیدہ دیر تک نہیں پالتیں۔“

اسے تاجر کی بیٹی کا خیال آ گیا۔ اس نے بھی اب تک شاید شادی کر لی ہوگی۔ کسی تاجر سے یا پھر کسی

چرواہے سے جو پڑھ سکتا ہو اور اسے دلچسپ کہانیاں سن سکے۔

آخر وہ واحد چرواہا تو نہیں تھا جسے پڑھنا لکھنا آتا تھا۔

اسے اپنی انسانی پر بھی حیرت اور مسرت ہوئی کہ وہ ہدی بان کی پُر فلسفہ گفتگو کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ اسے

لگا جیسے وہ عالمیہ زبان سیکھ رہا ہو۔ وہ عالمیہ زبان جو انسانیت کے ماضی اور حال دونوں میں یکساں محیط تھی۔

اس کی سمجھ میں آنے لگا کہ کبھی بھارا انسان کی روح کائنات کے دھارے میں ڈبکی لگانے میں کامیاب ہو

جاتی ہے تو اسے غیب کی چیزوں کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ آخر کار کہیں تو تمام انسانیت کا ماضی، حال اور

مستقبل محفوظ تھے۔ اور شاید اسے ہی قیامت شاہی بتے ہیں۔

”مکتوب۔“ لڑکے کے کانوں میں سرشل فریش کے الفاظ کی گونج سنائی دی۔

صحرا کہیں تو ریت کا سمندر تھا اور کہیں کہیں پہاڑ اس سمندر کے درمیان سے نکل آئے تھے۔ جب بھی

کبھی قافلے کا سامنا کسی چٹان یا نیلے سے ہوتا تو قافلے کا رخ وقتی طور پر بدل جاتا۔

جب کبھی ریت بہت نرم ملتی جہاں پر جانوروں کے قدم دھنسنے کا خطرہ ہوتا تو راستہ بدل کر قافلہ ایسی

جگہ کا انتخاب کرتا جہاں سخت زمین ملے تاکہ جانور آرام سے سفر جاری رکھ سکیں۔ کبھی کبھار قافلے کا سامنا

خشک جھیل سے ہوتا جس کے اوپر خشک نمک کی تہ جمی ہوئی ہوتی۔ یہاں جانور بدک جاتے اور آگے چلنے سے

انکار کر دیتے۔ ایسی صورت میں ہدی بان نیچے اتر کر جانوروں کا بوجھ اتارتے اور کچھ وزن اپنے کندھوں پر

اٹھا کر جھیل پار کرتے اور دوبارہ وزن جانوروں پر ادا دیتے۔ لیکن اس سب کچھ کا نتیجہ صرف ایک تھا۔ چاہے

قافلے کو جتنی بھی چٹانوں کا سامنا ہوتا یا خشک جھیلوں سے واسطہ پڑتا چکر لگانے کے بعد قافلہ دوبارہ واپس اسی

سمت میں روانہ ہو جاتا جس طرف اس نے پسیدہ دان رخ کیا تھا۔ قافلے کی نظر اپنی منزل پر تھی اور وہ اپنی سمت

کا تعین اس ستارے کی مدد سے کرتا تھا جو خمدستان العیود کے اوپر تھا۔

جب قافلے والوں کی نظر صبح کے وقت اس ستارے پر پڑتی تو انہیں یقین ہو جاتا کہ ان کا رخ اس لہج

ودق صحرائے ننپوں چچ موجود پانی، بھجوروں کے باغ اور ریگستان کی کڑی دھوپ میں دستیاب راحت افزا سائے کی طرف ہے۔

اگر سب کچھ سے بے خبر تھا تو وہ انگریز تھا۔ کیونکہ وہ اپنی کتابوں میں مشغول تھا۔ لڑکے کے پاس بھی ایک کتاب تھی اور اس نے سفر کے ابتدائی ایام میں اس کو پڑھنے کی کوشش بھی کی لیکن اسے کتاب کی نسبت فطرت کا نظارہ زیادہ دلچسپ تھا۔ اگرچہ اس کا خیال تھا کہ وہ جب بھی کتاب کھولتا ہے تو اس پر کوئی نہ کوئی اہم انکشاف ہوتا ہے لیکن پھر بھی اس نے کتاب سے چند کارا حاصل کر لیا اور اس نے ہدی بان سے دوستی کر لی۔ شام کو وہ آگ کے قریب بیٹھ رہا ہدی بان اپنی مہم جوئی کے قصے سناتا اور ہدی بان کی باتیں سنتا تھا۔

”میں ’نصروہ‘ کے پاس رہتا تھا۔“ ایک شام ہدی بان نے اسے بتایا۔ ”میرے پاس اپنا باغ تھا۔ گھر بار اور بچے تھے۔ یہ سب آجھ لافانی محسوس ہوتا تھا۔ ایک سال جب فصل بہت اچھی ہوئی تو میں پورے خاندان کے ساتھ حج کے لیے مکہ گیا۔ یہ میری زندگی کا واحد غیر تکمیل شدہ خواہش تھی۔ اب مجھے زندگی سے کسی اور چیز کی تمنا نہیں تھی۔ اب اگر مجھے موت بھی آجاتی تو میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دیتا۔“

ایک روز بہت زور کا زلزلہ آیا اور ساتھ ہی دریائے نیل طغیانی پر آ گیا۔ میرا خیال تھا کہ اس طرح کا حادثہ شاید دوسروں کے ساتھ تو ہو سکتا تھا لیکن میرا مقدر کتاب تقدیر نے اس قسم کی آفات سے صاف رکھا تھا۔ لیکن میرے سب باغ، گھر بار اور بچے اس ہلانے ناگہانی کی نظر ہو گئے۔ میری تمام املاک دریا بردار ہو گئیں اور مجھے مجبوراً کوئی اور ذریعہ معاش تلاش کرنا پڑا۔ اور آج میں ہدی بان ہوں۔ اس تمام حادثے سے میں نے ایک سبق سیکھا ہے۔ اللہ کا حکم ہے کہ انسان کو اس وقت تک انجانے خوف کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں جب تک وہ جانتا ہے کہ اسے کیا کرنا ہے اور وہ اس کے حصول پر قادر ہے ہم خوفزدہ ہوتے ہیں کہ ہم وہ کچھ کھودیں گے جو ہمارے پاس ہے بلکہ ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ہماری تقدیر اسی نے نکھی ہے جس نے ہم سے قبل آنے والے انسانوں کی تقدیر نکھی تھی۔ اگر یہ بات ہم ذہن نشین کر لیں تو کوئی خوف ہمارے دل میں جگہ نہیں پاسکتا۔“ ہدی بان کے چہرے پر سکون تھا اسے اپنی جائیداد اور اولاد کے جانے کا غم نہیں تھا۔

جیسے ہی وہ آگ کے گرد حلقہ جھاتے تو ہدی بان ریت کے طوفان سے ایک دوسرے کو خبردار کرتے یا صحرائی داستانیں ایک دوسرے کو سناتے۔ کبھی کبھار قافلے کا سامنا پر اسرار نقاب پوش اونٹ سواروں سے ہوتا۔ ان کا کام قافلے کے راستے کی نگہبانی تھا۔ وہ قافلے والوں کو رہزنوں اور ڈاکوؤں کی موجودگی سے خبردار رکھتے تھے۔ وہ جس طرح خاموشی سے صحرائیں سے ظاہر ہوتے تھے اسی طرح چپکے سے غائب ہو جاتے تھے۔ ان

کے سیاہ لباس میں سے صرف ان کی آنکھیں اکھائی دیتی تھیں۔ ایک رات ہدی بان آگ کے آلاؤ کے قریب آیا جہاں لڑکا اور انگریز بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے انہیں بتایا کہ افواہ ہے کہ صحرا میں دو قبل کے درمیان جنگ چھڑ گئی ہے۔ یہ سن کر تینوں خاموش ہو گئے۔ لڑکے کو ایسے لگا جیسے فضا میں خوف کی لہر پھیل گئی ہو۔

ایک دفعہ پھر اسے ایسی زبان کا احساس ہوا جو الفاظ سے بے نیاز تھی عالمگیر زبان۔

انگریز نے ہدی بان سے استفسار کیا کہ نہیں وہ خطرے میں تو نہیں ہیں۔

”صحرا میں صرف اندر آنے کا راستہ ہوتا ہے۔“ ہدی بان نے جواب دیا۔

”اور جب واپس جانے کا راستہ مسدود ہو تو انسان کو گے جانے کے لیے بہتر راستہ کی فکر ہونی چاہیے۔ اور باقی اللہ پر چھوڑ دینا چاہیے۔“ مکتوب۔

”آپ کو قافلے کی طرف توجہ دینی چاہیے۔“ لڑکے نے انگریز سے کہا۔ ”قافلہ رکاوٹوں سے گزرنے کے لیے کئی چکر کاٹتا ہے مگر اس کا رخ ہمیشہ اپنی منزل کی طرف ہی رہتا ہے۔“

”اور تمہیں چاہیے کہ تم دنیا کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔ کتابوں مثالی ایسی ہی ہے جیسا کہ صحرا میں قافلہ۔“ انگریز بولا۔

قافلے نے اپنی رفتار تیز کر دی۔

دن تو اس سے قبل بھی خاموش ہوتے تھے۔

مگر اب رات کو بھی پڑاؤ پر مکمل سہت جاری ہوتا تھا۔ پھر ایک دن سردار نے حکم دیا کہ اب پڑاؤ میں آگ روشن نہیں کی جائے گی۔ اس طرح جنگجو قبل کو قافلے کی آمد کا علم ہونے کا خدشہ تھا۔

اب جب بھی پڑاؤ پڑتا تو جانوروں کو ایک بارے کی صورت میں باندھ دیا جاتا اور درمیان میں انسان ہوتے تھے۔ اور پڑاؤ کے چاروں اطراف میں محافظ بھی تعینات کیے جاتے تھے۔

ایک رات جب چند صحرائی ریت پر اپنی خراگینز چاندنی پھینک رہا تھا۔ لڑکے نے انگریز کو اپنی کہانی سنائی۔ انگریز بالخصوص ریشل کی دکان اور افق بوند خانے کی کامیابی سے بہت متاثر ہوا۔

”یہی اصول تمام امور میں کارفرما ہے۔“ لڑکے کی بات ختم ہونے پر انگریز بولا۔

”کیمیاگری کی زبان میں اسے کائنات کی روح کہا جاتا ہے۔ جب انسان دل کی گہرائیوں سے کچھ

تمنا کرتا ہے تو وہ کائنات کی روح کے قریب ہوتا ہے۔ یہ ہمیشہ ہی مثبت عمل ہے۔ اور یہ صرف انسان نہیں ہے کہ جس میں روح ہے بلکہ کائنات کی ہر شے چاہے وہ جمادات ہوں یا نباتات یا جانور ہوں سب میں

روح ہے۔ کائنات میں مسلسل ایسا تغیر کارفرما ہے، یونکہ کائنات ایک زندہ جاوید حقیقت ہے کہ دنیا کی ہر چیز میں روح کارفرما ہے۔ ہم بھی اس روح کا ایک جز ہیں شاید اس لیے ہمیں اس کا ادراک نہیں ہوتا کہ یہ روح ہماری بھدائی کے لیے مصروف عمل ہے۔ شاید کرسنل کی دکان میں تم نے محسوس کیا ہوگا کہ گلاس تک تمہاری جدا جہد میں تمہاری معاونت کر رہے تھے۔

لڑکا چند لمحوں کے لیے تہی سانس میں ڈوب گیا۔ اس نے پہلے چاند کو دیکھا اور پھر وہ ہتھیلی پر نظر جماتے ہوئے بولا

”میں نے صحرائے بیچ میں قافلے دیکھے۔ قافلے اور صحرائی یہ ایک ہی زبان ہے اور اس لیے صحرا قافلے کو زرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اور وہ مسلسل دیکھ رہا ہوتا ہے کہ قافلے کا ہر قدم اپنے مقررہ وقت پر مقررہ جگہ پر پڑتا ہے یا نہیں اگر یہ ایسا ہے تو ہم ضرور نخستان تک پہنچنے میں کامیاب ہوں گے۔“

اگر ہم اس قافلے میں محض اپنی جرات مندی کے زور پر چل رہے ہوتے اور ہمیں اصل حقیقت کا علم نہ ہوتا تو شاید یہ سفر بھی بہت تکلیف دہ ہوتا۔

دونوں خاموشی سے چاند کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”اور یہ نشانیوں کا جادو ہے۔“ لڑکا سوت و توت زتے ہوئے بولا۔

”میں نے دیکھا ہے کہ کس طرح ہڈی بان بظاہر بے نشان صحرا میں راستہ تلاش کرتے ہیں اور کس طرح قافلے کی روح صحرائی روح سے ہم کلام ہوتی ہے۔“

”مجھے بھی قافلے کا اتنی گہرائی سے مشاہدہ کرنا چاہیے۔“ انگریز بولا۔

”اور مجھے تمہاری کتابوں کا مطالعہ۔“ لڑکے نے جواب دیا۔



وہ بہت ہی عجیب و غریب کتابیں تھیں۔ ان میں پارے، نمکیات، اثر و ہول اور بادشاہوں کا ذکر تھا اور یہ سب کچھ لڑکے کے فہم سے بہت اوپر کی باتیں تھیں۔ اسے ایک چیز تمام کتب میں مماثل نظر آئی۔ سب میں ایک نظریہ تھا کہ کائنات کی ہر چیز کی بنیاد ایک ہی ہے۔

ایک کتاب میں اس نے پڑھا کہ کیمیائی کا اصل گرو صرف چند سطور میں مرکوز تھا اور یہ ایک پکھراج پر

لکھی ہوئی تھیں۔

”اسے پکھراج کی تختی کہتے ہیں۔“ انگریز نے اسے بتایا۔

انگریز کو خوشی ہوئی کہ بالآخر وہ بھی لڑے کو متاثر کر سکے گا۔

”اگر کیما گری کا علم اتنی ہی مختصر ہے تو پھر ہمیں اتنی کتابوں کی کیا ضرورت ہے؟“ لڑکے نے استفسار کیا۔

”تاکہ ہم ان چند سطروں کو سمجھ سکیں“ انگریز نے جواب دیا لیکن اسے خود بھی یقین نہ تھا کہ وہ جو کہہ رہا

تھا وہ حقیقت میں ایسا ہی ہے۔

لڑکے کو سب سے زیادہ دلچسپ وہ کتاب لگی جس میں مشہور کیما گروں کی کہانیاں تھیں۔ یہ وہ لوگ

تھے جنہوں نے اپنی زندگیوں اس تلاش میں گزار دی تھیں کہ وہ دھات کو مصفا کر سکیں۔ ان کا خیال تھا کہ اگر

دھات کو کئی سال تک گرم کیا جائے تو وہ اپنی انفرادی خصوصیات کو ترک دیتی ہے اور نتیجتاً کائنات کی روح

سامنے آجائے گی۔ اور کائنات کی اس روح کی مدد سے وہ دنیا میں ہر چیز کی حقیقت جان سکیں گے۔ کیونکہ

ان کے خیال میں کائنات کی ہر شے کی ایک ہی زبان تھی۔ وہ اس دریافت کو ”کارِ عظیم“ کا نام دیتے تھے۔ یہ

جزوِ عالمِ نفع اور جزوِ اٹھوس ہے۔

”کیا صرف انسان اور نشانوں کا تجربہ کائنات کی زبان کو سمجھنے کے لیے کافی نہیں ہے؟“ لڑکے نے

سوال کیا۔

”تمہیں ہر شے کو آسانی سے لینے کا خط سوار ہے“ انگریز نے تلخی سے جواب دیا۔ ”جبکہ کیما گری انتہائی

سنجیدہ کام ہے۔ ہر قدم استادوں کے نقش قدم پر ہونا چاہیے۔“

لڑکے نے پڑھا تھا کہ ”کارِ عظیم کے مانع حصے کو ب حیات کہتے ہیں اور یہ ہر بیماری کا علاج ہے اور

انسان کو جوان بھی رکھتا ہے۔ جبکہ ٹھوس حصے کو سنگ فلسفہ کہتے ہیں۔“

”سنگ فلسفہ اتنی آسانی سے نہیں مل سکتا۔“ انگریز نے بتایا۔

کیما گروں نے سالہا سال لیبارٹریوں میں صرف کیے۔ وہ آگ کا مشاہدہ کرتے رہے جس سے

دھات کی تطہیر ہوتی تھی۔ انہوں نے ”سنگ“ کے قریب اتنا وقت گزارا کہ تمام دنیاوی خواہشات سے ان کا بچھا

چھوٹ گیا۔ جب وہ منزل پر پہنچے تو ان کو معلوم ہوا کہ مادے کی صفائی کرتے کرتے وہ خود بھی تمام دنیاوی

خواہشات کی آلائشوں سے پاک ہو چکے تھے۔

لڑکے کو فوراً کرشل فروش کا خیال آگیا۔ اس نے کہا تھا کہ لڑکے کے لیے کرشل کی صفائی ایک اچھا

عمل ہے اس طرح اس کے دل کی بھی منگی خیالات سے صفائی ہو جائے گی۔

لڑکے کو یقین ہوتا جا رہا تھا کہ کیمیائی گری انسان اپنے ارد گرد سے سیکھ سکتا ہے۔

”اور“ انگریز نے اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”سنگ فلسفہ کی اور بھی حیران کن خصوصیات ہیں۔ اس پتھر کا ایک ذرہ دھات کی کثیر تعداد کو سونے میں

بدل سکتا ہے۔“

لڑکا کیمیائی گری میں دلچسپی محسوس کر رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ بھی محنت کے بعد ہر شے کو سونے میں

بدل سکتا ہے۔ اس نے اب تک کئی ایسے لوگوں کا ذکر کیا تھا جنہیں اس میں کمال حاصل تھا۔ ہیل وٹھیس،

ایلیس فیلڈ اور گبر۔ ان دونوں کی کہانیاں بہت متاثر کن تھیں ان میں سے ہر شخص اپنی منزل مقصود تک

پہنچنے میں کامیاب رہا تھا۔

انہوں نے طویل سفر کیے۔ دانا لوگوں سے رہنمائی لی اور سخت محنت کے بعد آب حیات اور سنگ فلسفہ

حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

جب لڑکے نے کارِ عظیم کے حصوں کے بارے میں سوچا تو اسے کوئی واضح جواب نہ مل سکا۔ کتابوں

میں چند ڈرائنگ تھیں۔ وہ دور میں انچوہدایات اور نہ سمجھنے والے الفاظ کا مجموعہ۔



”نہ جانے یہ لوگ اتنے مشکل پسند کیوں ہوتے ہیں؟“ اس نے انگریز سے پوچھا۔

”تاکہ اس کو صرف وہ لوگ سمجھ سکیں جنہیں اس کی ضرورت ہے۔“ انگریز نے جواب دیا۔

”اگر ہر شخص دھات کو سونے میں بدلنے کا فن سیکھ لے تو پھر سونے کی قدر و قیمت کسی عام دھات سے

زیادہ نہیں رہے گی۔ جو لوگ ثابت قدمی اور لگن سے اس کی تلاش کرتے ہیں صرف وہ لوگ کارِ عظیم حاصل کر

نے میں کامیاب رہتے ہیں اور میں بھی اسی مقصد کے لیے اس صحرا کے بچوں بیچ موجود ہوں۔ میں یہاں

ایک کیمیائی گری کی تلاش میں آیا ہوں جو ان کو ورڈز کو حل کرنے میں میری رہنمائی کر سکتا ہے۔“

”یہ کتابیں کب کبھی گئی تھیں؟“ لڑکے نے سوال کیا۔

”کئی صدیاں قبل۔“

”لیکن اس وقت تو کوئی پر خٹک پر نہیں موجود نہیں تھے۔“ لڑکا بولا ”اس لیے ایسا کوئی خدشہ نہیں تھا کہ عام لوگ کیسا گری کا ہنر سیکھ سکیں تو پھر اس کی زبان اتنی مشکل کیوں رکھی گئی؟“

انگریز کے پاس اس کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔



پھر ایک دن لڑکے نے تمام کتابیں انگریز کو واپس کر دیں۔

”کیا تم نے کچھ سیکھا؟“ انگریز نے پوچھا۔

”میں نے یہ سیکھا ہے کہ کائنات کی ایسا روح ہے اور جو کوئی اس روح کو سمجھ لے گا وہ عالمگیر زبان پر بھی دسترس حاصل کر لے گا اور کئی ایسا لڑکوں نے اپنی منزل کا صحیح تعین کیا اور وہ تب حیات اور سنگ فلسفہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ سب کچھ اتنا ہی سادہ، آسان اور مختصر ہے کہ اسے محض پکھراج کی ایک تختی پر لکھا جاسکتا ہے۔“

انگریز کو بہت مایوسی ہوئی کہ اس کی ساروں کی محنت، طلسماتی نشانات، عجیب و غریب الفاظ اور لیبارٹریوں کچھ بھی لڑکے کو متاثر نہیں کر سکا تھا۔ اس نے سوچا کہ لڑکے کی روح بہت ہی ابتدائی مراحل میں ہے اس لیے وہ کچھ سمجھنے سے قاصر ہے۔

اس نے اپنی کتابیں واپس لیں اور انہیں صندوق میں بند کر دیا۔

”بہتر ہے کہ میں صرف قفلے کا نگار رہ کر رہوں۔“ اس نے تختی سے کہا۔

”کیونکہ میں ان کتابوں سے کچھ سیکھنے میں ناکام رہا ہوں۔“

”ہر ایک کا سیکھنے کا اپنا انداز ہے۔“ لڑکے نے اپنے آپ سے کہا۔

”میرا طریقہ اس سے بالکل مختلف ہے اور اس کا طریقہ مجھ سے مگر ہم دونوں کو اپنی اپنی منزل کی

تلاش ہے۔“



اب قفلے نے دن اور رات سفر کرنا شروع کر دیا۔ نقاب پوش بدو اب زیادہ جلدی جلدی نظر آنے لگے تھے۔ بدی بان نے لڑکے بتایا کہ قبائل درمیان جنگ طول پڑتی تھی اور اب نخلستان تک پہنچنا ایک معجزے سے کم نہیں تھا۔ جاؤرتھب چکے تھے اور انسان خاموش تھے۔ خاموشی رات کو اور بھی شدید ہو جاتی تھی۔ اونٹوں کی آواز جو اس سے قبل محض ایک اونٹ کی آواز کا درجہ رکھتی تھی اب قفلے واؤں سے یہ خوف کا باعث بن جاتی تھی کیونکہ یہ خطرے کی گھنٹی بھی ہو سکتی تھی یعنی حملے کا اعلان۔

بدی بان بظہر جنگ سے لاتعلق لگتا تھا۔

ایک رات جب وہ اونٹوں سمجھ رہے تھے کہ بدی بان بولے:

”میں زندہ ہوں۔ جب میں کھانا کھا رہا ہوتا ہوں تو صرف کھانے کے بارے میں سوچتا ہوں اور جب سفر کر رہا ہوتا ہوں تو صرف سفر کے بارے میں سوچتا ہوں۔ اگر مجھے لڑنا پڑ گیا تو میرے لیے آج کے دن مرنا بھی ایسا ہی ہوگا جیسے کسی اور روز نہ تو مجھے اپنے ماضی سے کوئی سروکار ہے اور نہ مستقبل سے، مجھے فکر ہے تو صرف اپنے حال کی۔ انسان صرف اپنے حال پر توجہ دے تو انسان بہت خوش رہ سکتا ہے پھر اسے صحرا میں بھی زندگی نظر آتی ہے۔ اسے آسمان میں ستارے نظر آتے ہیں اور قبائل کے درمیان لڑائی کوئی خوفناک عمل محسوس ہونے کی بجائے انسانی بہت کا ایک عمل لگتی ہے۔ زندگی ایک جشن بن جاتی ہے۔ کیونکہ زندگی صرف لمحہ موجود کا ہی تو نام ہے۔“

دورات بعد لڑکا اپنا ستر درست کر رہا تھا تو اس کی نظر اس ستارے پر پڑی جس کو دیکھ کر قافلہ اپنی سمت کا اندازہ کرتا تھا۔ اسے ایسے لگا جیسے افق نیچے اتر آیا ہو کیونکہ اب اسے صحرا میں بھی ستارے نظر آنے لگے تھے۔ ”یہ نخلستان ہے۔“ بدی بان بولا۔

”تو پھر ہم ابھی وہاں کیوں نہیں جاتے۔“ لڑکے نے پوچھا۔

”کیونکہ ہمیں آرام کرنا ہے۔“



سورج طلوع ہونے کے ساتھ ہی لڑکا بھی غیند سے جا بٹ گیا۔ س کے سامنے جہاں رات کو ستارے نظر آتے تھے وہاں کھجور کے درختوں کا نہ تمہ ہونے والا سلسلہ تاحد تک اونچیا ہوا تھا۔
”ہم بالآخر پہنچ ہی گئے۔“ انگریز بولا۔

لیکن لڑکا خاموش تھا۔ وہ صحرائی خاموشی کا ماحول ہی ہو چکا تھا اور اس کے لیے محض درختوں کا نظارہ ہی کافی تھا۔ اس کا سفر ابھی بہت طویل تھا اور کسی دن یہ صبح صاف ماضی کا حصہ ہوگی۔ لیکن آج یہ لمحہ موجود تھا۔ ایک جشن جیسا کہ ہدی بان نے کہا تھا۔ اور وہ اس لمحہ موجود میں جینا چاہتا تھا ماضی کی پشیمانی اور مستقبل کی فکر بھلا کر۔

اگرچہ ایک دن کھجور کے درختوں کا منظر محض ایک یاد کا ٹکڑا اس وقت یہ مدت ہے پانی کی رحمت افزاء سایہ اور جنگ سے پناہ کی۔



وقت زقندر کا سردورناتا ہے اور ایسا ہی قافلے بھی کرتے ہیں۔ کیس کر نے سوچا۔ وہ سینکڑوں انسانوں اور جانوروں کے قافلے وختستان میں داخل ہوتا دیکھ رہا تھا۔

لوگ آنے والوں کو چیخ چیخ کر خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ انہوں نے بال نے سورج کو ڈھانپ لیا تھا اور بچے نئے آنے والوں کو دیکھ کر ہنسی بھری نظر سے دیکھ رہے تھے۔ کیس کر نے دیکھا کہ قبیلے کا سردار قافلے کے سردار سے گلے مل رہا تھا اور اس سے سفر کے حالات پوچھ رہا تھا۔ یہ سب کچھ کیس کر کے لیے کچھ معنی نہیں رکھتا تھا۔ اس نے اس سے قبل بھی کئی قافلوں کو آتے جاتے دیکھا تھا مگر صحرا ہمیشہ سے ایسا ہی تھا۔ صحرا کی اس ریت پر شہنشاہ بھی گزرے تھے اور گدا بھی۔ صحرائی نیلہ جوان حاکم سے اپنی جد تو ضرور بدلتے تھے مگر یہ ریت ایسی کی ایسی ہی تھی جیسے وہ اپنے بچپن سے لیتا آیا تھا۔ کئی بخت کے تھکا، سینے وے سفر اور صحرا کی یکسانیت کے بعد خلعت کا سبز و کچھ رمل قافلہ کے چروں پر چھنے، ان رونق اسے ہمیشہ علم نیت بخشی تھی۔

شاید خدا نے صحرا اس لیے بنایا تھا کہ لوگ کھجور کے درخت کی قدر کریں۔ کیمیا گرنے سوچا۔ اسے معلوم تھا کہ اس قافلے میں ایک ایسا انسان بھی تھا جس کو اس نے کھجور اڑ سکھانے تھے۔ اس نے اس انسان کو کبھی نہیں دیکھا تھا مگر اس کی تجربہ کار کانیاں یقیناً اس انسان کو فوراً پہچان لیں گی۔ اسے یقین تھا کہ وہ بھی اتنا ہی قابل ہوگا جیسا کہ اس سے قبل اس نے شکر دتے۔



لڑکے کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں رہا تھا۔ نخلستان جیسا کہ کبھی اس نے جغرافیہ کی ایک کتاب میں دیکھا تھا محض کھجور کے چند درختوں پر مشتمل نہیں تھا بلکہ چین کے کسی بھی قصبے سے زیادہ وسیع تھا۔ نخلستان میں تین سو کنوئیں، پچاس ہزار کھجور کے درخت اور بڑے درخت تھے۔

”یہ کوئی آف سیڈ کی بہانوں کا منظر نامہ ہے۔“ برطانوی جو کیمیا گرنے کے لیے بے قرار تھا، بولا۔ وہ دونوں بچوں میں گھبراہٹ ہوئے تھے جو اشتیاق سے نئے آنے والے جانوروں اور لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔ مرد جتنا چاہتے تھے کہ قافلہ والوں نے جنگ کا کوئی منظر دیکھا تھا یا نہیں۔ جبکہ عورتیں کپڑوں اور زیورات اور قیمتی پتھروں کی خریداری میں دلچسپی رکھتی تھیں۔

صحرا کا سوت اب محض ماضی کی ایک یاد تھا۔ چاروں طرف لوگوں کی آوازیں تھیں جو خوشی سے ہنس رہے تھے اور کچھ چیخ رہے تھے ایسے گنتا تھا جیسے وہ لوگ کسی روحانی دنیا سے ایک دم زمین پر آگئے ہوں۔

صحرا میں سفر کے دوران وہ لوگ بہت احتیاط برت رہے تھے۔ اب ہدی بان نے بتایا کہ نخلستان ایک غیر متنازع علاقہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس کی آبادی کی اکثریت بچوں اور عورتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ نخلستان پورے صحرا میں موجود تھے مگر قبائل صرف صحرا میں ہی لڑتے تھے اور نخلستان کو پناہ گاہ کا درجہ حاصل تھا۔

کافی مشکل کے بعد قافلہ کا سردار پورے قافلے کو جمع کرنے میں کامیاب ہو سکا۔ وہ قافلہ والوں کو کچھ ہدایات دینا چاہتا تھا۔ قافلے کو نخلستان میں اس وقت تک رہنا تھا جب تک قبائل کی جنگ اختتام کو نہ پہنچ جائے۔ کیونکہ وہ لوگ مہمان تھے اس لیے انہیں نخلستان میں سب سے اچھی جگہ دی گئی تھی۔ اور یہی مہمان نوازی کی روایت تھی۔ سردار نے اپنے محفل میں سمیت تمام لوگوں سے کہا کہ وہ ہتھیار جمع کرادیں کیونکہ دستور کے مطابق نخلستان میں ہتھیار اٹھانا منع تھا۔

لڑکے کو اس وقت حیرت ہوئی جب انگریز نے اپنے صندوق سے سونے کا پانی چڑھا کر یو الوور نکالا اور سردار کے متعین کردہ آدمی کو دے دیا۔

”تم یو الوور کس لیے اپنے پاس رکھتے ہو؟“ لڑکے نے سوال کیا۔

”اس طرح مجھے لوگوں پر اعتماد رہتا ہے۔“ انگریز نے جواب دیا۔

لڑکے کو فوراً اپنے خزانے کا خیال آ گیا۔ جوں جوں وہ اپنے خواب کی تعبیر کے نزدیک ہو رہا تھا اتنی ہی مشکلیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ (گامزنی قسمت) جیسا کہ بوڑھے بادشاہ نے کہا تھا، کام نہیں کر رہی تھی۔

اپنے خواب کی تعبیر کی تلاش میں اسے مسلسل صبر اور ثابت قدمی کے امتحان سے گزرنا پڑ رہا تھا۔ اس لیے وہ بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ روہ جذبات میں آگے بڑھتا تو ممکن تھا کہ وہ ان نشانات اور علامات کو نہ سمجھ سکتا جو خدا نے اس کے راستے میں رکھ چھوڑے تھے۔

”خدا نے انہیں میرے راستے میں رکھ دیا ہے۔“ اسے اپنی سوچ پر حیرت ہوئی۔

اس سے قبل وہ انہیں دنیا کی چیز سمجھتا تھا۔ جیسا کہ غذا اور نیند یا پھر محبت یا روزگار کی تلاش، اس سے قبل اسے یہ خیال ہی نہ آیا کہ خدا نے اس کی زبان میں اسے ہدایات دی تھیں کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔

”بے صبری مت کرو۔“ اس نے اپنے آپ سے کہا۔

جیسا کہ بدی بان نے کہا تھا ”جب لھانے کا وقت ہو تو صرف کھانے پر دھیان دو اور جب سفر کا وقت ہو تو صرف سفر کے بارے میں سوچو۔“

پہلے روز تقریباً تمام لوگ سو کر تھکن اتارتے رہے بشمول انگریز کے۔ لڑکے کو اپنے دوست سے دور جگہ ملی تھی جہاں وہ اپنی عمر کے پانچ اور لڑکوں کے ساتھ رہ رہا تھا۔ یہ سب لوگ صحرا کے باسی تھے اور انہیں لڑکے کی استائیں بہت اچسپ ملی تھیں۔ بڑا نہیں اپنی زندگی اور کرشل کی دکان میں حاصل ہونے والے تجربات کے بارے میں بتا رہا تھا کہ اس دوران انگریز اس کے خیمے میں داخل ہوا۔

”میں صبح سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں۔“ اس نے لڑکے کو خیمے سے باہر لے جاتے ہوئے کہا۔

”مجھے کیسا گر کو تلاش کرنے میں تمہاری مدد درکار ہے۔“

پہلے تو وہ دونوں خود ہی کیسا گر کو تلاش کرتے رہے۔

ان کا خیال تھا کہ کیسا گر کا طرز رہائش نختستان کے باقی بایسوں سے بالکل مختلف ہوگا اور اس کے خیمے

میں ایک بھنی مسلسل روشن ہوئی۔

انہوں نے ہر اس جگہ تلاش کیا جہاں ان کے خیال میں کیمیا گر ہو سکتا تھا۔ لیکن نختان ان کے اندازے سے کہیں زیادہ وسیع تھا۔

”ہم نے پورا دن ضائع کر دیا۔“ انگریز بولا۔

شاید ہمیں کسی سے اس کے بارے میں پوچھ لینا چاہیے تھا۔ لڑکے نے تجویز دی۔

انگریز باقی لوگوں پر اپنے یہاں آنے کا اصل مقصد ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بالآخر وہ اس بات پر راضی ہو گیا۔

لڑکا کیونکہ اس سے بہتر عربی بول سکتا تھا اس لیے انگریز کا خیال تھا کہ وہ لوگوں سے کیمیا گر کے بارے میں معلوم کرے۔ لڑکا ایک عورت کے پاس گیا جو کہ کنویں پر پانی بھرنے آئی تھی۔

”صبح بخیر! میں ایک کیمیا گر کی تلاش میں ہوں جو اس نختان میں رہتا ہے۔“ اس نے عورت سے کہا۔

عورت نے اسے بتایا کہ اس نے اس سے قبل کسی کیمیا گر کا ذکر نہیں سنا تھا اور جلدی سے جانے کے لیے مڑی۔

جانے سے پہلے اس نے لڑکے کو بتایا کہ اسے چاہیے وہ کالے لباس میں ملبوس کسی عورت کو مخاطب نہ کرے۔ کارہاس خاتون کے شادی شدہ ہونے کی علامت تھا اور صحرا کے دستور کے مطابق شادی شدہ خواتین سے نامحرم مردوں کو بات نہیں کرنی چاہیے۔

انگریز کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اسے ایسے لگا جیسے اس کی تمام تر محنت رائیگاں گئی۔

لڑکا بھی افسردہ تھا۔ اس کا دوست اپنی منزل کی تلاش میں تھا اور وہ اس کی ہر ممکن مدد کرنا چاہتا تھا۔

بوزھے بادشاہ نے کہا تھا کہ جب بھی کوئی اپنی منزل تک پہنچنے کا مصمم ارادہ کرتا ہے تو کائنات کی ہر

شے اس کی مدد میں مصروف ہوتی ہے۔ اسے لگا کہ بوزھے بادشاہ کا کہنا غلط تھا۔

”میں نے تو اس سے قبل کبھی کیمیا گر کے بارے میں نہیں سنا اور لگتا ہے کہ یہاں کسی اور نے بھی اس

کا ذکر نہیں سنا۔“ لڑکا بولا۔

انگریز کی آنکھوں میں چمک تھی۔

”بالکل ٹھیک ہے شاید یہاں کسی کو سمجھ ہی نہیں ہے کہ یہاں ایک کیمیا گر رہتا ہے ہمیں معلوم کرنا چاہیے

کہ یہاں لوگوں کا علاج کون کرتا ہے؟“

کالے لباس میں ملبوس کئی خواتین کنوئیں پر آئیں لیکن لڑکے نے انہیں مخاطب کرنے سے اجتناب کیا باوجود انگریز کے بار بار اکسانے کے۔

آخر کار ایک مرد نظر آیا۔ لڑکا اس کے طرف لپکا۔

یہاں لوگوں کا علاج کون کرتا ہے؟

”اللہ۔“ مرد نے آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر کہا۔

”شاید تم جھاڑ پھونک کرنے والوں کی تلاش میں ہو“ مرد نے قرآن کی چند آیات کی تلاوت کی جو لڑکے سر کے اوپر سے گزر گئیں۔

ایک اور بوڑھا دی کنوئیں کی طرف آ رہا تھا۔ لڑکے نے اس سے بھی وہی سوال کیا۔ ”تمہیں ایسے شخص کی تلاش کیوں ہے؟“ بوڑھے نے اس سوال کیا۔

”کیونکہ میرے ایک ساتھی نے کئی ماہ تک صرف اس لیے سفر کیا ہے کہ اس شخص سے ملاقات کر سکے“ لڑکے نے جواب دیا۔

”اگر یہاں ایسا کوئی شخص ہے تو پھر وہ بلاشبہ بہت طاقتور شخص ہوگا بوڑھے نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا۔

”تم جنگ کے ختم ہونے کا انتظار کرو اور نجدستان کی زندگی میں دخل دینے سے اجتناب کرو“ بوڑھے نے جاتے ہوئے کہا۔

انگریز خوش تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ صحیح سمت میں چل رہے تھے۔

آخر کار ایک نوجوان عورت کنوئیں کی طرف آتی ہوئی نظر آئی جو سیاہ لباس میں ملبوس نہیں تھی۔ اس کے سر پر رومال تھا مگر اس کا چہرہ نکلا تھا۔

لڑکا اس کی طرف اس غرض سے بڑھتا کہ اس سے پتہ چلے کہ اس کے بارے میں پوچھ سکے۔

جیسے ہی اس نے لڑکی کو قریب سے دیکھا اسے ایسا لگا جیسے پوری کائنات تھم گئی ہو۔ اس کی گہری سیاہ آنکھیں سمندر سے زیادہ گہری تھیں۔ متبسم ہونٹ کسی گلاب کی پتھری سے بھی خوبصورت تھیں۔

اس پر عالمگیر زبان کے سب سے اہم حصے کا آج انکشاف ہو۔ وہ حصہ جیسے دنیا میں موجود ہر شے سمجھ سکتی تھی۔ ”محبت“ جس کا وجود انسان کے وجود سے بھی قدیم ہے اور جس کی وسعت صحرا سے بھی زیادہ ہے۔ یہ ایک ایسی طاقت ہے جو دونظروں کے ملاپ پر وجود میں آتی ہے۔ لڑکی مسکرائی۔ یہ یقیناً ایک

علامت تھی۔ شاید اسی علامت کی اسے اب تک تلاش تھی۔ اسی کی تلاش میں وہ اپنی بھینروں کے ساتھ مارا مارا پھرتا تھا۔ کتابوں میں سرکھپایا۔ کمرشل کی کان میں محنت کی اور صحرا کی وسعت میں سرگرداں رہا۔ یہ دنیا کی سب سے پاکیزہ زبان ہے جسے کسی بھی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ جس طرح کائنات کسی بھی وضاحت سے بے نیاز ہے۔

لڑکے کو ایسے محسوس ہوا جیسے وہ دنیا میں موجود واحد خاتون کے ساتھ ہے۔ اور اسے لگا کہ بغیر کوئی لفظ بولے لڑکی نے اس کے احساسات و محسوس راہیا تھا۔ اس کے نزدیک اس حقیقت کا وجود دنیا کی کسی اور حقیقت سے زیادہ تھا۔ اس کے نزدیک صرف یہی ایک حقیقت تھی اور باقی سب فریب۔ اس کے والدین نے اسے کہا تھا کہ کسی کو زندگی کا ساتھی بنانے سے پہلے اس کے ساتھ محبت ہونا ضروری ہے۔

لیکن ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں کو ایسا محسوس ہوتا ہو وہ عاقلانہ زبان سے یکسر نابلد ہوں۔ کیونکہ اگر انسان کو یہ زبان آتی ہو تو اسے معلوم ہوتا ہے۔ وہی اس کا دنیا کے کسی گوشے میں منتظر ہے چاہے وہ صحرا کے بچوں کی طرح ہو یا پھر کسی پرجوم شہر میں۔

اور جب اس طرح کے دو انسان ملتے ہیں، ان کی آنکھیں آپس میں ٹکراتی ہیں تو ماضی اور مستقبل ایک دم معدوم ہو جاتے ہیں صرف یہ حقیقت باقی رہ جاتی ہے۔ کہ سب کچھ کسی ایک ذات کا تخلیق کردہ ہے اس نے ہی محبت کو وجود بخش اور روح و معرض وجود میں لایا محبت کے بغیر کسی کے بھی خواب اس کے لیے بے معنی ہوتے ہیں۔

”مکتوب۔“ لڑکے نے سوچا۔

”اس سے پوچھو۔“ انگریز نے اسے جھنجھوڑا۔

وہ لڑکی کے قریب گیا تو وہ مسکرائی۔ لڑکے نے بھی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا ”تمہارا نام کیا ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”فاطمہ۔“ لڑکی نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا۔

”اس طرح کے نام تو میرے ملک میں بھی خواتین کے ہوتے ہیں۔“

”یہ نام ہمارے پیغمبر ﷺ کی بیٹی کا تھا۔“ فاطمہ نے جواب دیا۔

”یہ نام مسلمان فاتحین کے ساتھ دنیا کے ہر خطے میں پھیل گیا۔“ فاتحین کے ذکر پر لڑکی کی خوبصورت آنکھوں میں فخر کے احساسات نظر آئے۔

انگریز کے دوبارہ ٹھونکا دینے پر اس نے لڑکی سے وہی سوال کیا جو اس سے قبل وہ دوسروں اور ایک عورت سے پوچھ چکا تھا۔

”یہ وہی شخص ہے جسے دنیا کے بہت سارے رازوں سے آگاہی حاصل ہے اور صحرا کے جن بھی اس کے تابع ہیں۔“ لڑکی نے جواب دیا۔

اس نے جنوب کی سمت اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ عجیب و غریب انسان ادھر رہتا ہے۔ پھر اس نے اپنا برتن پانی سے بھرا اور واپس چلی گئی۔

لڑکے نے واپس گھوم کر دیکھا تو انگریز بھی غائب تھا۔

لڑکا کنویں کی منڈیر پر بیٹھ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ ایک دن طرفہ میں لیوانتر اس تک اس لڑکی کی مہک لے کر آئی تھی۔ اور وہ اس لڑکی سے اس وقت سے محبت کرتا ہے جب اس کا وجود بھی نہیں تھا۔ اسے لگا کہ اس کی یہ محبت اسے اس قابل بنا دے گی کہ وہ دنیا کے ہر خزانے کو ڈھونڈ نکالے گا۔

اگلے دن لڑکا دوشیزہ سے سننے کی میدان کنویں پر آیا اسے حیرت ہوئی کہ انگریز اس سے پہلے ہی وہاں موجود تھا اور صحرا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”میں کل شام تک اس کا انتظار کرتا رہا۔“ انگریز نے بتایا۔ ”وہ پہلے ستارے کی روشنی کے ساتھ ہی ظاہر ہوا تھا۔ میں نے اسے اپنے مقصد سے آگاہ کیا تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا کبھی میں نے دھات کو سونے میں بدلنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ میں اسی مقصد کے لیے ہی تو یہاں آیا ہوں۔ اس نے مجھے کہا ”جاؤ اور کوشش کرو۔“

لڑکا خاموش رہا۔ بے چارے انگریز نے صرف یہ جواب سننے کے لیے تو صحرا عبور نہیں کیا تھا۔ جیسے ہی انگریز رخصت ہوا فاطمہ کنویں کی طرف آتی ہوئی دکھائی دی۔

”میں تمہیں صرف ایک بات بتانے آیا ہوں کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“

لڑکی کے ہاتھ سے پانی کا برتن گر گیا۔ پانی میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ ریت کا زور توڑ کر بہہ سکے۔ ”میں روزانہ اسی جگہ تمہارا انتظار کروں گا۔ میں نے یہ صحرا ایک خزانے کی تلاش میں عبور کیا۔ تب مجھے یہ جنگ ایک آفت لگتی تھی مگر اب یہ میرے لیے رحمت ہے کیونکہ اس کی وجہ سے میری تم سے ملاقات ہوئی ہے۔“

”لڑائی تو ایک دن ختم ہو جائے گی۔“ لڑکی بولی۔

لڑکے نے کھجور کے درختوں کی طرف دیکھا۔ اس نے سوچا کہ وہ اس سے قبل ریوڑ چرایا کرتا تھا اور

اب دوبارہ وہی کام کر سکتا ہے۔ اس کے لیے فاطمہ بیوی دنیا کا سب سے قیمتی خزانہ تھی اور اس کا ساتھ ہی اس کی منزل تھا۔

”قبائلی لوگ ہمیشہ ہی خزانے کے متلاشی رہتے ہیں۔“ فاطمہ بولی جیسا کہ اس کو محسوس ہو گیا ہو کہ وہ کیا سوچ رہا تھا۔

”اور صحرا کی عورت کو اپنے مرا پر نخر ہے“ اس نے اپنا برتن پانی سے بھرا اور واپس چلی گئی۔ لڑکا ہر روز کنویں پر فاطمہ سے ملنے کے لیے جاتا تھا۔ اس نے فاطمہ کو اپنی زندگی کے بارے میں بتایا۔ بوڑھے شہنشاہ سے اپنی ملاقات کا ذرا ریا اور رسل کی دکان کے بارے میں بتایا۔ وہ بہت جلد ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔

سوائے ان پندرہ منٹ کے جو وہ کنویں پر فاطمہ کے ساتھ گزارتا تھا پورا دن گزارنا اس کے لیے مشکل ہو جاتا تھا۔

جب قافلے کو نختان میں ایک ماہ کا عرصہ ہو گیا تو قافلے کے سردار نے پورے قافلے کو اکٹھا کیا۔ ”ہمیں نہیں معلوم کہ لڑائی کب ختم ہوگی۔ اس لیے یہ ناممکن ہے کہ ہم اپنا سفر جاری رکھ سکیں۔“ سردار بولا۔ ”لڑائی زیادہ طویل بھی پکڑ سکتی ہے۔ اور ممکن ہے یہ کئی برس تک جاری رہے۔ دونوں حریف طاقتور ہیں اور لڑائی میں فتح حاصل کرنا دونوں اطراف کا مطلوب ہے۔ یہ حق و باطل کی لڑائی نہیں بلکہ ایسی طاقتوں کے درمیان جنگ ہے جن کا مصمّم نظر طاقت کا توازن قائم کرنا ہے۔ اور اس طرح کی جنگ زیادہ طویل ہوتی ہے کیونکہ اند دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔“

تم لوگ واپس اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے اور لڑکا فاطمہ سے ملنے۔ ”اس دن تم نے مجھے کہا تھا کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟“ فاطمہ نے سوال کیا۔ ”اور پھر تم نے مجھے کائنات کی روح اور عالمگیر زبان کے بارے میں بھی بتایا تھا۔ شاید اس لیے میں بھی محسوس کرتی ہوں کہ میں تمہارے وجود کا ایک حصہ ہوں۔“

لڑکا یکسوئی سے اس کی بات سن رہا تھا۔ لڑکی کی آواز اس کے لیے اس نفسگی سے بھی خوبصورت تھی جو ہوا کے چنے کی وجہ سے کھجور کے پتوں سے پیدا ہو رہی تھی۔ ”میں شاید اس نخلستان میں ہمیشہ سے تمہاری منتظر بھی تھی۔“ لڑکی نے اپنی بات جاری رکھی۔ ”میں نے اپنی روایات کو پس پشت ڈال دیا اور یہ بھی بھول گئی کہ صحرا کی خواتین سے کس رویے کی امید کی جاتی ہے۔ بچپن سے مجھے امید تھی کہ اس صحرا کی وسعتوں سے میرے خوابوں کا شہزادہ ایک دن آئے گا۔ اور وہ تم ہو۔“

لڑکے کا دل چاہا کہ وہ بے اختیار فطمہ کا ہاتھ تھام لے لیکن اس کے دونوں ہاتھ پانی کے برتن کے گرد لپٹے ہوئے تھے۔

”تم نے مجھے اپنے خواب، بوزھے بادشاہ اور خزانے کے بارے میں بھی بتایا۔“ لڑکی بات جاری تھی۔ ”اور پھر تم نے مجھے نشانوں کے بارے میں بھی بتایا۔ اب مجھے کسی بات کی فکر نہیں ہے کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ یہی نشانیاں تمہیں میرے پاس لائی ہیں۔ اور میں تمہارے خواب کا حصہ ہوں اور میں ہی تمہاری منزل ہوں۔ اس لیے میری خواہش ہے کہ تم اپنے خزانے کی تلاش جاری رکھو۔ اگر تم لڑائی کے ختم ہونے کا انتظار کرنا چاہتے ہو تو ضرور یہاں رہو۔ ہوا ریت کے نیوں، جدہ بنے پر تو مجبور رہ سکتی ہے لیکن صحرا کو نہیں بدل سکتی۔ صحرا ہمیشہ سے صحرا ہی ہے۔ اور یہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔“ مکتوب“ اگر میں واقعی تمہارے خواب کا حصہ ہوں تو مجھے یقین ہے کہ ایک دن تم میرے پاس واپس لوٹ آؤ گے۔“

لڑکا اس دن بہت اداس تھا۔ اسے رہ رہ کر ان تمام گڈ ریوں کا خیال آ رہا تھا جنہوں نے اپنے گھر سے لیے تھے۔ انہیں اپنی شریک حیات کو یہ باور دلانے میں انتہائی مشکل ہوئی تھی کہ ویرانے میں جانا ان کے لیے کتنا ضروری تھا۔

”محبت کا تقاضا تھا کہ وہ اپنی محبت کے ساتھ رہیں۔“ اس نے اگلے دن فطمہ کو بتایا۔

”یہ صحرا گواہ ہے کہ ہمارے مرد ہمیشہ اس کو اپنے قدموں تلے روندتے رہے ہیں اور وہ کبھی کبھی واپس بھی نہیں آتے۔ اور ہم خواتین اس چیز کی عادی ہیں۔ جو واپس نہیں آتے وہ بادلوں کا حصہ بن جاتے ہیں جو کڑکتی دھوپ میں سایہ فراہم کرتے ہیں۔ یا اس پانی میں شامل ہو جاتے ہیں جو بنجر زمین کو سیراب کرتا ہے۔ وہ ہر ایک شے میں شامل ہو جاتے ہیں۔ وہ کائنات کی روح میں واپس لوٹ جاتے ہیں۔ کچھ لوگ واپس لوٹ آتے ہیں اور باقی خواتین کو پھر بھی اس رہتی ہے کہ ایک دن ان کے مرد بھی واپس ضرور آئیں گے۔ مجھے ان خواتین کی اس ہمیشہ اچھی لگتی تھی۔ اور اب میں بھی ان کا حصہ بننا چاہتی ہوں جو اپنے مردوں کے انتظار میں لمحے گنتی ہیں۔ میں اس صحرا کی بیٹی ہوں اور مجھے اس بات پر فخر ہے۔ میری خواہش ہے کہ میرا خاوند اسی طرح آزاد ہو جیسی یہ ہوا۔ اور ابھی یہ موقع آیا تو میں بھی یہ قبول کر لوں گی کہ وہ بھی اس کائنات کی ہر شے میں شامل ہو جائے۔“

لڑکا انگریز کی تلاش میں تھا۔ وہ اسے فطمہ کے بارے میں بتانا چاہتا تھا۔ اس نے حیرت سے دیکھا کہ انگریز نے اپنے خیمے کے باہر ایک بھٹی بنائی تھی۔ اس بھٹی کے اوپر ایک شیٹے کی صراحی رکھی تھی اور نیچے

لکڑیوں کی آگ جل رہی تھی۔ صحرا کی طرف دیکھتے ہوئے انگریز کی آنکھوں میں وہ چمک تھی جو کتا میں پڑھتے وقت مفقود تھی۔

”یہ کام کا پہلا مرحلہ ہے۔“ وہ بولا۔

”مجھے گندھک ملیحہ کرنا ہے۔ اس کام کو کامیابی سے سرانجام دینے کے لیے ضروری ہے کہ میرے دل میں ناکامی شائبہ تک نہ آئے۔ یہ ناکامی کا خوف ہی تھا جس نے مجھے اس کام سے باز رکھا۔ میں نے آج اس کام کی ابتدا کی ہے جو میں آج سے دس سال قبل کر سکتا تھا لیکن مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ میرے بیس سال نہیں گزرے۔“

وہ مسلسل آگ روشن رکھے ہوئے تھا۔

لڑکا خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

جب ڈوبتے سورج کی سرخی سے صحرائی ریت نے بھی الی الی چالی تو اس نے سوچا کہ وہ صحرا میں نکل جائے یہ آزمانے کے لیے کہ کیا صحرا کی خاموشی میں اس کے تمام سوالات کے جواب پوشیدہ ہیں یا نہیں۔ وہ کچھ دیر تک صحرا میں آوارہ گردی کرتا رہا لیکن نکاحیں نخلستان پر رکھیں وہ ہوا کی سرسراہٹ سن سکتا تھا اور اپنے قدموں کے نیچے آنے والے پتھروں کی بھی۔

کہیں کہیں اسے سپہیاں بھی نظر آئیں اس سے اس نے اندازہ لگایا کہ کبھی یہ صحرا بھی سمندر رہا ہوگا۔ وہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور افق کے مسورین نظارے سے لطف اندوز ہونے لگا۔ وہ محبت اور ملکیت کے فرق پر غور کر رہا تھا مگر دونوں میں تفریق کرنے سے قاصر تھا۔

فاطمہ دختر صحرائی اور اس کو سمجھنے کے لیے صحرا کو سمجھنا ضروری تھا۔

جب وہ اپنے خیالات میں مستغرق تھا تو اسے اپنے سر کے اوپر حرکت محسوس ہوئی۔ اس کے اوپر صحرائی بازوؤں کا ایک جوڑا محو پرواز تھا۔ وہ ہوا کے دوش پر تیرتے بازوؤں کو دیکھتا رہا۔ اگرچہ ان کی پرواز میں کوئی ربط نہیں تھا لیکن وہ اس سے کچھ محسوس کر سکتا تھا۔ مگر اسے الفاظ کا روپ دینے سے قاصر تھا۔ وہ ان کی پرواز کا بغور مطالعہ کرنے لگا تا کہ اس سے کوئی معنی اخذ کر سکے۔ شاید یہ باز اس پر محبت بغیر ملکیت کو واضح کر رہے تھے۔ اس نے محسوس کیا کہ اسے خیندرہ ہی ہے۔ اس نے بیدار رہنے کی بھرپور کوشش کی لیکن وہ بیک وقت سونا بھی چاہتا تھا۔

”میں عالمگیر زبان سیکھ رہا ہوں۔“ اس نے سوچا۔

”دنیا کی ہر شے اب میرے لیے ایک مفہوم رکھتی ہے۔ یہاں تک کہ بازوؤں کی پرواز بھی“ اس نے اپنے آپ سے کہا۔ اس نے سوچا کہ یہ محبت کا کرشمہ ہی ہے کہ ہر چیز اب اس کے لیے معنی رکھتی ہے۔

اچانک ایک باز نے غوطہ لگایا اور دوسرے پر جھپٹا۔ اس کے ساتھ ہی ایک تصویر لڑکے کے ذہن کے پردہ سکرین پر چمکی۔ ایک فوج بے نیام تھواروں کے ساتھ نخلستان پر حملہ آور ہو رہی تھی۔ یہ تصویر پلک جھپکتے ہی میں غائب ہو گئی۔ لیکن اپنا اثر چھوڑ گئی۔

لڑکا کانپ رہا تھا۔ اس نے دُلوں سے سنا تھا کہ انسان کو صحرا میں سراب نظر آتے ہیں۔ اسے خود بھی اس کا تجربہ ہو رہا تھا۔

سراب دراصل انسان کی غیر تکمیل شدہ خواہشات ہیں۔ جو اتنی شدت رکھتی ہیں کہ انسان کو لگتا ہے کہ زمین پر ان کا وجود ہے۔

اس نے ایک بار پھر صحرا کی سنہری ریت پر توجہ دینے کی کوشش کی لیکن اس کے دل میں کچھ ایسی بے چینی تھی جو اس کی توجہ کو مرکوز ہونے سے روک رہی تھی۔ اس نے کوشش کی کہ اس تصویر کو بھلا دے اور دوبارہ اپنے ذہن کو مرکوز کر سکے۔

”ہمیشہ نشانیوں کی رہنمائی میں اپنا راستہ تلاش کرو۔“ بوڑھے بادشاہ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لڑکے نے تصویر میں نظر آنے والے واقعے کو دوبارہ یاد کیا اور محسوس کیا کہ یہ واقعہ حقیقت میں ظہور پذیر ہونے والا ہے۔ وہ اٹھا اور کھجور کے رختوں کی طرف چل پڑا۔ ایک بار پھر اس نے محسوس کیا کہ ہر ایک چیز کی کئی زبانیں ہیں۔ اس دفعہ صحرا تو محفوظ تھی لیکن نخلستان خطرے میں تھا۔

ہدی بان کھجور کے درخت کے پاس بیٹھا غروب آفتاب کا نظارہ کر رہا تھا۔ اس نے لڑکے کو ٹیلے کے دوسری جانب سے آتے ہوئے دیکھا۔

”نخلستان پر ایک فوج حملہ آور ہونے والی ہے۔“ وہ ہدی بان کو مخاطب کر کے بولا۔
”میں نے اس کی جھلک دیکھی ہے۔“

”صحرا کی یہی خوبی ہے کہ وہ انسان کے ذہن میں بہت ساری تصویریں بناتا ہے۔“ ہدی بان نے جواب دیا۔

لڑکے نے اسے صحرائی بازوؤں کے بارے میں بتایا کہ کس طرح وہ ان کی پرواز کا مشاہدہ کر رہا تھا کہ اچانک اس کی رسائی ایک لمحے کے لیے کائنات کی روح تک ہو گئی جہاں اس نے وہ منظر دیکھا جو مستقبل میں ہونے والا تھا۔

ہدی بان فوراً لڑے کی بات سمجھ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ دنیا میں موجود ہر شے خدا کے حکم پر اس بات پر قادر تھی کہ مستقبل کو لوگوں پر ظاہر کر دے۔ کوئی اس کا تجربہ کسی کتاب کو پڑھ کر کر سکتا ہے اور کوئی بچوں کو پلٹ کر یا پھر ہاتھوں کی زبان پڑھ کر یا پھر صرف پرندوں کی پرواز کا مشاہدہ کر کے۔ مشاہدے کا ذریعہ کوئی بھی ہو۔ اگر خدا کا حکم ہو تو انسان مستقبل کی جھلک دیکھ سکتا ہے۔

قبائلی لوگ مستقبل کا حال بتانے والوں سے مشورہ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

ان کا خیال ہے کہ اگر انہیں اس بات کا علم ہو جائے کہ اس لڑائی میں ان کا انجام موت ہے تو پھر وہ لڑائی میں اپنا کردار ادا نہیں کر سکتے۔ وہ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ لڑائی میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائیں بغیر یہ جانے کہ لڑائی کا نتیجہ کیا ہوگا۔

مستقبل کا حال تو صرف اللہ کو ہی معلوم ہے اور لوح محفوظ پر لکھا ہے۔ اور اس نے جو بھی لکھا ہے انسان کی فلاح اسی میں ہے کیونکہ اللہ عادل ہے اور رحیم ہے۔ وہ انسان پر اپنی رحمت کا سایہ کئے ہوئے ہے۔ وہ انسان کی قسمت میں کچھ ایسا نہیں لکھ سکتا جو اس کے لیے نقصان دہ ہے۔ یہ تو انسان کے اپنے اعمال ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو مصیبت سے دوچار کر لیتا ہے۔

اس لیے صحرائی لوگ صرف حال میں زندہ رہتے ہیں۔ حال اچانک ظاہر ہونے والے واقعات سے بھرا ہوا ہے اور انہیں بہت سارے خطرات کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا ہوتا ہے۔ دشمن کی تلوار کہاں تھی؟ اس نے گھوڑا کہاں باندھا تھا؟ اسے دشمن پر کیسی ضرب لگانی چاہیے کہ وہ خود زندہ رہ سکے؟

ہدی بان چونکہ جنگجو نہیں تھا اس لیے اس نے مستقبل کا حال بتانے والوں سے کئی مرتبہ مشورہ کیا تھا۔ ان میں سے کچھ تو سچ بتاتے تھے جب کہ اکثر غلط تھے۔ ایک دفعہ جب اس نے ایک طویل عمر جوئی سے مشورہ کیا تو اس نے سوال کیا کہ وہ مستقبل کا حال جاننے میں اتنی دلچسپی کیوں رکھتا تھا۔

”میں مستقبل کے بارے میں اس لیے جاننا چاہتا ہوں کہ میں مرد ہوں۔“ ہدی بان نے جواب دیا۔

”اور مرد اپنی زندگیوں کی منصوبہ بندی اپنے مستقبل کو پیش نظر رکھ کر کرتے ہیں۔“

”اور اس لیے بھی کہ میں جن چیزوں کا ہونا اپنے لیے صحیح نہیں سمجھتا ان کو بدل سکوں۔“

”تب وہ تمہارے مستقبل کا حصہ نہیں ہوں گی۔“ جوئی بولا۔

”اگر تمہارے ساتھ کوئی حادثہ ہونے والا ہے اور تمہیں اس کی پیشگی خبر ہے تو وہ اپنے وقوع پذیر ہونے

سے پہلے ہی تمہیں ایذا پہنچائے گا۔“

جوتی اس بات میں مہارت رکھتا تھا کہ ریت پر چھڑیاں پھینکتا اور ان کے گرنے کے انداز سے واقعات کے ظہور پذیر ہونے کی پیشین گوئی کرتا تھا۔

اس دن اس نے کوئی پیشین گوئی نہ کی۔ اس نے اپنی چھڑیوں کو کپڑے میں لپیٹا اور واپس اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔

”میری گزراوقات لوگوں کے حالات کی پیشین گوئی کرنے پر ہے۔“ جوتی بولا۔

”میں چھڑیوں کے استعمال میں مہارت رکھتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ کس طرح ان کے استعمال سے میں اس جگہ کو دیکھ سکتا ہوں جہاں ہر چیز لکھی ہوئی ہے۔ میں یہ تو دیکھ سکتا ہوں کہ ماضی میں کیا ہوا ہے۔ لیکن میں مستقبل کے بارے میں صرف قیافہ شناسی کرتا ہوں۔ مستقبل کا حال تو صرف خدا کو معلوم ہے اور یہ صرف اللہ ہی ہے کہ اگرچہ ہے تو اس کا محدود علم کسی انسان کو دے دے۔ میں مستقبل کی بارے میں قیافہ شناسی کرتے ہوئے نشانیوں کا سہارا لیتا ہوں جو حال میں موجود ہیں۔ راز صرف حال میں ہے۔ اگر تم حال پر توجہ دو تو تم اس کو بدل سکتے ہو۔ اس لیے جو اس کے بعد آئے گا تو وہ بہتر ہی ہوگا۔ اس لیے مستقبل کی فکر بھول جاؤ اور حال میں اس اعتماد کے ساتھ زندہ رہو کہ اللہ اپنے بندوں سے بہت پیار ہے۔“

”وہ کیا حالات ہوں گے جب اللہ مجھ پر میرا مستقبل آشکار کر دے گا؟“ ہدی بان نے جوتی سے پوچھا۔

”جب وہ چاہے۔ اللہ صرف کبھی کبھار ایسا کرتا ہے اور جب بھی وہ کسی انسان کو غیب کا علم دیتا ہے تو اس کی ایک ہی وجہ ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ مستقبل کے بارے میں جو لکھا تھا اس مقصد سے لکھا تھا کہ تبدیل ہوگا۔“

”خدا نے لڑکے کو مستقبل کی ایک جھلک دکھائی تھی۔“ ہدی بان نے سوچا۔

خدا نے اس لڑکے کو ایسا کیوں بنایا؟

”جاؤ اور قبیلے کے سردار کو اس کی خبر دو۔“ ہدی بان نے لڑکے کو ہدایت کی۔

”وہ لوگ میرا مذاق اڑائیں گے۔“ لڑکے نے جواب دیا۔

”وہ صحرا کے باسی ہیں اور صحرا کے باسی جانتے ہیں کہ نشانیوں کا کیا مطلب ہوتا ہے۔“

”تب تو وہ پہلے سے ہی اس بارے میں جانتے ہوں گے کہ نجدستان پر حملہ ہونے والا ہے۔“ لڑکے نے

جواب دیا۔

”انہیں شاید اس بات کی فکر اب تک نہیں ہے۔ انہیں یقین ہے کہ اللہ اگر ان تک کوئی خبر پہنچانا چاہتا ہے

تو وہ انہیں اس کی اطلاع ضرور کسی کے ذریعے پہنچا دے گا۔ اس سے قبل بھی کئی دفعہ ایسا ہو چکا ہے اور اس دفعہ وہ خبر پہنچانے والے تم ہو۔“

لڑکے کو فاطمہ کا خیال آگیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ قبیلے کے سردار کو ضرور یہ خبر پہنچا دے گا۔



لڑکے کا سامنہ محافظ سے ہوا جو نخلستان کے قلب میں نصب خیمے کے دروازے پر پہرہ دے رہا تھا۔
”میں سردار سے ملنا چاہتا ہوں۔“ اس نے محافظ سے کہا۔

محافظ کوئی جواب دیئے بغیر خیمے کے اندر چلا گیا اور کچھ دیر کے بعد سفید لباس میں ملبوس ایک نوجوان کے ساتھ باہر آیا۔ لڑکے نے اسے بتایا کہ اس نے یاد دیکھا تھا۔ نوجوان اسے انتظار کرنے کا کہہ کر دوبارہ خیمے کے اندر چلا گیا۔

رات پڑ چکی تھی اور کثیر تعداد میں تاجر اور جنگجو خیمے میں آ جا رہے تھے۔ ایک ایک کر کے آگ کے الاؤ بجھ رہے تھے اور تھوڑی دیر کے بعد نخلستان میں صحرا جیسی خاموشی چھا گئی۔ اس وقت لڑکے کے ذہن میں صرف فاطمہ کا خیال تھا وہ اب تک اس کی گفتگو کا آخری حصہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ آخر کئی گھنٹوں کے صبر آزمات انتظار کے بعد محافظ نے لڑکے کو اندر جانے کا حکم دیا۔ خیمے کا اندرونی منظر دیکھ کر اس کی عقل دنگ رہ گئی۔ اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ صحرائے بیچوں بیچ کوئی ایسا خیمہ بھی موجود ہوگا۔

خیمے کا فرش ایسے خوبصورت قالینوں سے ڈھکا ہوا تھا جو آج تک اس کی نظر سے نہیں گزرے تھے۔ درمیان میں سونے کے فانوس لٹک رہے تھے جن کے اندر موم بتیاں روشن تھیں۔ قبائل کے سردار نیم دائرے کی شکل میں ریشم کے گاؤتکیوں کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ ملازم چاندی کی تشریوں میں خشک میوہ اور قہوہ پیش کر رہے تھے اور کچھ حقے میں آگ کو تازہ رکھنے میں مصروف تھے۔ فضا میں دھوئیں کی بھینی سی مہک تھی۔

خیمے میں آٹھ سردار موجود تھے لیکن لڑکے نے اپنی ذہانت سے اندازہ لگایا کہ ان میں کونسا سردار سب سے زیادہ رتبے کا مالک تھا وہ سفید اور سنہری لباس میں ملبوس تھا اور نیم دائرے کے درمیان میں بیٹھا ہوا تھا اس کے ایک پہلو میں وہی نوجوان موجود تھا جس سے اس کی ملاقات خیمے کے باہر ہوئی تھی۔

”یہ کون ہے جو نشانیوں کی زبان جاننے کا دعویٰ رکھتا ہے۔“ ایک سردار نے لڑکے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

”میں لڑکے نے جواب دیا۔

اور پھر اس نے پورا واقعہ تفصیل سے بیان کر دیا۔

”مگر آخر کار اپنا آپ ایک اجنبی پر کیوں ظاہر کرے گا جبکہ اسے معلوم ہے کہ ہم نسلوں سے اس کے باسی ہیں۔“ ایک اور سردار بولا۔

”کیونکہ میری نگاہیں ابھی تک صحرائی مادی نہیں ہوئیں“ لڑکے نے فوراً جواب دیا۔

”میں اس چیز کو بھی محسوس کر سکتا ہوں جسے صحرائین شاید نظر انداز کر دے۔“

اور اسی لیے بھی کہ میں کائنات کی روح کو سمجھ سکتا ہوں۔ اس نے اپنے آپ سے کہا۔

”نمکستان ایک غیر متنازعہ علاقہ ہے اور کوئی بھی اس پر حملہ کرنے کی غلطی نہیں کر سکتا۔“ تیسرا سردار بولا۔

”میں تو صرف اتنا بتا سکتا ہوں جو میں نے دیکھا ہے اگر آپ اس پر یقین نہیں کرنا چاہتے تو آپ کی مرضی۔“ خیمے میں بحث شروع ہو گئی۔

وہ لوگ ایسے لہجے میں عربی بول رہے تھے جو لڑکے کو سمجھ نہیں آ رہی تھی جب وہ جانے کے ارادے سے واپس مڑنے لگا تو محافظ نے اسے روکنے کا اشارہ کیا۔ لڑکے پر خوف طاری ہو گیا علامات اس بات کی نشاندہی کرتی تھیں کہ کچھ غلط ہونے والا ہے۔ اسے افسوس ہونے لگا کہ اس نے اس واقعے کا ذکر بدی بان سے کیوں کیا تھا۔

پھر درمیان میں بیٹھے ہوئے سردار کے چہرے پر مسکراہٹ نظر آئی اور لڑکے کو کچھ اطمینان ہوا۔ یہ سردار اب تک کی بحث میں بالکل خاموش رہا تھا۔ لڑکے کو یونکہ عالم گیر زبان کی سدھ بدھ تھی اس لیے اسے احساس تھا کہ خیمے کی پرسکون فضا میں اس کے آنے سے ایک دم ارتعاش پیدا ہو گیا ہے۔ اب وجدان اسے بتاتا تھا کہ یہاں آکر اس نے صحیح فیصلہ کیا تھا۔

بحث ختم ہو چکی تھی۔ تمام سردار خاموشی سے سردار کی بات سننے کے لیے ہمتن گوش تھے۔ سردار لڑکے کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ ”دو ہزار سال قبل بھی ایک نوجوان ایسا گزرا ہے جو خوابوں پر یقین رکھتا تھا۔“ بوڑھے سردار نے پہلی بار بولتے ہوئے کہا۔

”اس کو پہلے ایک کنوئیں میں پھینکا گیا اور پھر غلام بنا کر فروخت کر دیا گیا۔ ہمارے جیسے تاجروں نے

اسے خریدا اور اسے مصر لے آئے۔ اور ہمارا اعتقاد ہے کہ جو کوئی بھی خوابوں پر یقین رکھتا ہے اسے انکی تعبیر بھی معصوم ہوتی ہے۔“ بوزھے نے اپنی بات جاری رکھی۔

”جب فرعون نے خواب میں دیکھا کچھ گائیں فریہ تھیں اور کچھ بہت کمزور۔ تو اس نوجوان نے مصر کو ایک خوفناک قحط سے بچالیا۔ اس نوجوان کا نام یوسف تھا۔ وہ بھی اس سرزمین میں تمہاری طرح اجنبی تھا۔ اور شاید تمہاری ہی عمر کا تھا۔“

سردار نے کچھ دیر توقف کیا۔ اس کی نگاہوں میں ابھی تک اجنبیت تھی۔

”ہم لوگ روایت کی پاسداری کرتے ہیں اور روایت نے ہی ان دنوں میں مصر کو قحط سے بچالیا تھا۔ اور مصر والے امیر ترین لوگ بن گئے۔ روایت ہی سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے اس صحرا کو کیسے عبور کرنا ہے اور ہم نے اپنے بچوں کی شادیاں کیسے کرنی ہیں۔ روایت ہی ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ نخلستان ایک غیر متنازعہ علاقہ ہے۔ کیونکہ دونوں اطراف میں نخلستان موجود ہیں اور دونوں ہی فریق یکساں طور پر زبرد پذیر ہیں۔“ خیمے میں مکمل سکوت تھا اور تمام لوگ بوزھے سردار کی بات بغور سن رہے تھے۔ ”اور روایت ہی ہمیں سکھاتی ہے کہ ہم صحرائی آواز سنیں، ہمارا تمام مہم اسی صحرائی دین ہے۔“

سردار نے اشارہ کیا اور تمام لوگ کھڑے ہو گئے۔ یہ ملاقات کے اختتام کا اعلان تھا۔ ملازموں نے حقے بچھ دئے اور محافظ مودب کھڑے ہو گئے۔ لڑکا بھی جانے کو تیار تھا کہ اس دوران سردار دوبارہ بولا۔

”کل ہم وہ معاہدہ تو زیدیں گے جس کے مطابق نخلستان میں ہتھیار اٹھانا ممنوع ہے۔ ہم تمام دن دشمن کا انتظار کریں گے۔ اور سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی تمام لوگ دوبارہ اپنے ہتھیار پھینک دیں گے۔ دشمن کی ہر دس لاشوں پر تمہیں سونے کا ایک سکہ ملے گا۔ اگر ہتھیاروں کو زیادہ دیر تک استعمال نہ کیا جائے تو انہیں زنگ لگ جاتا ہے۔ اور اگر ان میں سے ایک بھی ہتھیار کل استعمال نہ ہوا تو وہ تم پر استعمال کیا جائے گا۔“

جب لڑکا خیمے سے باہر نکلا تو نخلستان میں صرف چاند کی روشنی تھی۔ وہ اپنے خیمے سے بیس منٹ کی مسافت پر تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنے خیمے کی طرف قدم اٹھانا شروع کیے۔ وہ ابھی تک پیش آمدہ واقعات کے اثر سے نہیں نکل سکا تھا۔

وہ کائنات کی روح تک تو پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ لیکن شاید اس کو اس بات کی قیمت اپنی زندگی کی صورت میں ادا کرنی پڑ رہی تھی۔ وہ خوفزدہ تھا۔

لیکن وہ تو تمام عمر ہی خطرناک قدم اٹھاتا آیا تھا۔ اور بقول ہدی بان کے آج کے دن مرنا کل کی موت

سے برا نہیں تھا۔ ہر دن اس بات کا متقاضی تھا کہ اسے جیا جائے۔

تمام دنیا کا محور ایک لفظ تھا "مکتوب"

اسے کوئی شبہ ہی نہیں تھی۔ اگر کل وہ مارا بھی گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا کو مقصود نہیں تھا کہ مستقبل کو تبدیل کیا جاسکے۔ مرنے سے قبل کم از کم اس نے سمندر عبور کیا تھا۔ کرشل کی دکان میں کام کیا تھا۔ یہ طویل صحرا عبور کیا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ فاطمہ کی گہری کالی آنکھوں کی ایک جھلک دیکھی تھی۔ اپنا گھر چھوڑنے کے بعد اس نے ہر دن کو بھرپور انداز میں جیا تھا۔

اس نے اب تک وہ کچھ دیکھا تھا جس کا دوسرے چرواہے تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اور اسے اس بات پر فخر تھا۔ یک دم ایک دھماکہ ہوا اور وہ زمین پر گر گیا۔ فضا میں دھول کی اتنی دبیز تہ جمی ہوئی تھی کہ چاند کی روشنی مدھم پڑ گئی تھی۔ اس کے سامنے ایک جسم قسم کا سفید گھوڑا کھڑا تھا۔

جب دھول کی تہ چھ کم ہوئی تو لڑکے نے خوفزدہ روئے والا منظر دیکھا۔

گھوڑے کے پہلو میں سیاہ کپڑوں میں ملبوس ایک طویل قامت آدمی کھڑا تھا۔ اس کے کندھے پر باز بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سر پر گڑی تھی اور اس کا منہ کالے رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔ وہ صحرا کا پیغامبر لگتا تھا۔ اس کی شخصیت صحرا کے روایتی پیامبروں سے زیادہ متاثر کن تھی۔ سیاہ پوش آدمی نے گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھی میان سے ایک بہت بڑی تلوار نکالی۔ تلوار چاند کی روشنی میں چمک رہی تھی۔

"کس میں اتنی ہمت ہے کہ وہ بازوؤں کی پرواز کو پڑھ سکے؟" اس کی آواز کی گونج پورے نخلستان میں

سنائی دی۔

"وہ میں ہوں جس نے یہ جرأت کی ہے!" لڑکے نے جواب دیا۔

اس کے ذہن میں سن تیاگو مینامورس کی تصویر تھی جو اپنے سفید براق گھوڑے پر سوار ہے اور گھوڑے کے سم نیچے پڑے ہوئے دشمن کی چھاتی پر ہیں۔ یہ آدمی بھی بالکل اسی طرح لگ رہا تھا فرق صرف یہ تھا کہ کردار اب بدل چکے تھے۔

"میں نے یہ جرأت کی!" اس نے دہرایا اور اپنا سر نیچے کر کے اپنے آپ کو تلوار کا دار و صول کرنے کے

لیے کر لیا۔

"بہت ساری قیمتی جانیں صرف اس لیے بچ جائیں گی کیونکہ میں نے کائنات کی روح تک رسائی

حاصل کر لی تھی۔"

تکوار اس کی گران پر نہیں رُئی تھی بلکہ اجنبی نے تکوار کی نوک سے اس کی ٹھوڑی اوپر کواٹھائی۔ خون کا ایک قطرہ نکل کر ریت میں جذب ہو گیا۔

گھڑ سوار بالکل خاموش تھا اور یہی حال لڑکے کا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ اسے اٹھ کر بھاگ جانا چاہیے۔ اس کے دل میں ایک عجیب قسم کی طمانیت تھی۔ وہ اپنی منزل کی تلاش میں موت کے انتہائی قریب پہنچ گیا تھا اور فطرت کی تلاش میں۔

آخر کار عاقل متحج ثابت ہوئی تھی اور اب وہ اپنے دشمن کے سامنے تھا لیکن اسے موت کا کوئی ذرہ نہیں تھا۔ کائنات کی روح اس کی منتظر تھی اور وہ جلد ہی اس کا ایک حصہ ہو گا اور ایسا ہی اس کے دشمن کے ساتھ ہونے والا تھا۔ اجنبی کی تکوار لڑکے کی ٹھوڑی سے نیچے تھی۔

”تم نے پرندوں کی پرواز سمجھنے کی جرات کیوں کی؟“

”میں نے صرف اس کا مشاہدہ کیا جو مجھے پرندے بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ اس نخلستان کو پہچانا چاہتے تھے۔ کل کا دن تم سب کے لیے موت کا پیغام۔“ گائیوئڈ یہاں تم سے زیادہ تعداد میں مرد موجود ہیں۔“ تکوار اپنی جگہ پر موجود تھی۔

”تم اللہ کی مرضی بدلنے والے کون ہوتے ہو۔“

”اللہ نے فوجوں کو پیدا کیا ہے اور اسی نے پرندوں کو تخلیق کیا ہے۔ اس اللہ نے ہی مجھے پرندوں کی زبان سکھائی ہے۔ سب کچھ اسی ایک ہاتھ کا تحریر کردہ ہے۔“ لڑکے نے جواب دیا۔ اس کے ذہن میں ہدی بان کی آواز گونج رہی تھی۔

گھوڑ سوار نے تکوار نیچے کھینچ لی اور لڑکے کو یک دم سکون کا احساس ہوا۔

”پیشین گوئیاں کرتے ہوئے احتیاط کرو۔ جب ایک چیز لکھی گئی ہے تو یہ ناممکن ہے کہ اس کو تبدیل کیا جاسکے۔“ گھوڑ سوار بولا۔

”میں نے صرف فوج کی بفار دیکھی ہے۔“ لڑکے نے جواب دیا۔

”میں نے لڑائی کا انجام نہیں دیکھا۔“ اجنبی اس کے جواب سے مطمئن نظر آتا تھا۔

”ایک اجنبی اس سرزمین پر کیا کر رہا ہے۔“ گھڑ سوار بولا۔

”میں اپنی منزل کی تلاش میں آیا ہوں مگر تم اس بات کو نہیں سمجھ سکو گے۔“ گھڑ سوار نے تکوار واپس میان میں رکھ لی۔ لڑکے نے سکھ کا سانس لیا۔

”میں نے تمہاری جرأت کا امتحان لینا تھا۔“ گھوڑ سوار بولا۔

”جرأت ہی بنیادی خوبی ہے کائنات کی زبان سمجھنے کے لیے۔“ لڑکے کو حیرت ہوئی کہ گھوڑ سوار ایسی بات کر رہا تھا جس کا علم بہت کم لوگوں کو تھا۔

”اتنا دور آنے کے بعد تم کبھی ہمت نہ بارنا۔“ اس نے بات جاری رکھی۔

”صحرا سے پیار کرو لیکن اس پر اندھا اعتماد نہ کرنا۔ کیونکہ صحرا ہمیشہ مردوں کا امتحان دیتا ہے۔ یہ ہر قدم پر چیلنج کرتا ہے اور جن کے قدم بہت جاتے ہیں انہیں ہلاک کر دیتا ہے۔“

”اگر جنگجو نخلستان پر حملہ آور ہوں اور شام تک تمہارا سر تمہاری گردن پر سلامت رہے تو مجھے تلاش کرتا۔“ گھوڑ سوار بولا۔ اس کے ہاتھ میں تلوار کی بجائے اب کوڑا تھا۔ گھوڑے نے زقہ بھری اور فضا میں دھول بکھر گئی۔

”تم کہاں رہتے ہو؟“ لڑکے نے سوال کیا۔

کوڑے والا ہاتھ جنوب کی طرف اٹھا۔ لڑکا سمجھ گیا کہ اس کی ملاقات کیمیا گر سے ہوئی ہے۔



اگلے دن دو ہزار مسلح افراد الفیوم میں پھیل چکے تھے۔ دوپہر سے قبل افق کے قریب پانچ سو کے قریب قبائلی نمودار ہوئے۔ یہ لوگ شمل کی جانب سے نخلستان میں داخل ہوئے۔ بظاہر یہ دستہ پر امن نظر آتا تھا مگر تمام لوگوں نے کپڑوں میں ہتھیار چھپا رکھے تھے۔ جب وہ نخلستان کے قلب میں سفید خیمے کے پاس پہنچے تو ایک دم انہوں نے اپنی تلواریں اور بندوقیں نکالیں اور خیمے پر حملہ آور ہوئے۔ لیکن خیمہ خالی تھا۔

اہل نخلستان نے انہیں گھیرے میں لے لیا اور آدھے گھنٹے کے بعد ایک کے سوا تمام حملہ آور مردہ حالت میں نخلستان کی ریت پر پڑے ہوئے تھے۔

تمام بچوں کو نخلستان کی دوسری طرف بھجور کے درختوں کے پیچھے رکھا گیا تھا اور وہ کچھ بھی دیکھنے سے قاصر تھے۔ خواتین اپنے خیموں میں مردوں کی کامیابی کے لیے دعا گو تھیں۔ سوائے ریت پر پڑی لاشوں کے ہر چیز معمول کے مطابق تھی۔

زندہ بچنے والا قبائلی اس دستے کا کمانڈر تھا۔ دوپہر کو اسے سرداروں کے سامنے پیش کیا گیا۔ جب اس

سے پوچھا گیا کہ انہوں نے روایت کو کیوں توڑا تو اس نے جواب دیا کہ اس کی فوج نئی روز سے فائدہ شہی کر رہی تھی اور انسان، جانور یا سے تھے۔ مجبور انہوں نے فیصلہ کیا کہ نخلستان پر قبضہ کریں تاکہ جنگ کو جاری رکھ سکیں۔

سارا بولا کہ اسے وہاں بدلتے فاسوں نے عمر روایت کیا، مقدس تھی۔ اس نے حکم دیا کہ کمانڈر کو ذلت آمیز موت دی جاے۔ بولی یہ تموار سے مارنے کی جاے۔ اسے ایک درخت کے ساتھ لٹکا دیا گیا۔ بوڑھے سردار نے لڑکے کو بایا اور اسے چپس سونے کے سنے دیے اور اس کے سامنے یوسف علیہ السلام کی کہانی دہرائی۔ اور اسے نخلستان کا مشیر مقرر کر دیا۔



جب سورج غروب ہو چکا تو لڑکے نے جنوب کی جانب چند شرمٹے کیا۔ کچھ فاصلے پر اسے اکیلا خیمہ نظر آیا۔ قریب سے گزرنے والے لوگوں نے اسے منع کیا کہ یہ جگہ محروم تھی۔ اور وہاں جنوں کا سیرا تھا لیکن لڑکے پر ان کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا اور وہی کا اتھارہ لے لگا۔ جب چاند کافی اوپر تو چکا تو اسے کہیا کہ ایک جانب سے آتا، کھانی دیا۔ اس کے کندھوں پر دو مردہ باز تھے۔

”میں آگیا ہوں۔“ لڑکا بولا۔

”تمہیں نہیں آنا چاہیے تھا۔“ کیسیا گری بولا۔ ”شاید تمہیں تمہاری منزل یہاں تک کھینچ لائی ہے۔“

”قبل کے درمیان لڑائی کی صورت میں صحرا و عبور کرنا ناممکن تھا لیکن پھر بھی میں یہاں تک پہنچ گیا ہوں۔“ لڑکے نے جواب دیا۔

کیسیا گری اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور لڑکے کو خیمے کے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ یہ خیمہ نخلستان میں موجود کسی دوسرے خیمے سے مشابہ تھا۔ لڑکے نے خیمے میں بھٹی اور صراحی کو تلاش کیا جن کو کیسیا گری میں استعمال کیا جاتا تھا مگر اسے مایوسی ہوئی۔ خیمے میں صرف چند تائیں، کچھ برتن اور ایک قلعین تھا جس پر عجیب و غریب ڈیزائن بنے ہوئے تھے۔

”بیٹھ جاؤ، ہم قہوہ پیئیں گے اور یہ باز جوں رکھا نہیں گئے۔“ کیسیا گری بولا۔

اسے شک نہ رہا کہ یہ وہی باز ہیں جو کل فضا میں بچہ پرواز تھے مگر وہ خاموش رہا۔ کیسا گرسنے چوہا روشن کیا اور فضا ایک دلغریب خوشبو سے معطر ہو گئی۔

”تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟“ لڑکے نے پوچھا۔

”نشانیوں کی وجہ سے۔“ کیسا کرنے جواب دیا۔

”ہوانے مجھے پیغام دیا کہ تم آرہے ہو اور تمہیں میری مدد کی ضرورت ہے۔“

”ہوانے جس کے بارے میں پیغام دیا ہے وہ میں نہیں ہوں بلکہ ایک انگریز ہے۔ وہ بھی اپنی منزل کی تلاش میں یہاں تک آیا ہے۔“

”اسے ابھی بہت کچھ کرنا ہے لیکن وہ صحیح راستے پر چل رہا ہے اور اس نے صحرا کو سمجھنا شروع کر دیا ہے۔“

”اور میرے بارے میں کیا خیال ہے؟“

”جب بھی کوئی انسان کچھ کرنے کا مصمم ارادہ کرتا ہے تو کائنات کی ہر شے اسے ممکن بنانے میں اس کی معاونت کرتی ہے۔“ کیسا گرسنے کے الفاظ میں اسے بوڑھے بااثر بات کی گونج سنائی دی۔

”ایک اور انسان میرے مدد کے لیے کمر بستہ ہے۔“ لڑکے نے سوچا۔

”تو پھر آپ میری رہنمائی کریں گے؟“

”تمہیں وہ سب معلوم ہے جس کا علم تمہیں ہونا چاہیے۔ میں صرف تمہارا رخ اس سمت کی طرف کروں گا جہاں تمہاری منزل ہے۔“

”وہاں تو قبائل میں لڑائی ہو رہی ہے۔“ لڑکے نے یاد دلایا۔

”مجھے معلوم ہے کہ صحرا میں کیا ہو رہا ہے۔“

”لیکن میں تو اپنے خزانے تک پہنچ گیا ہوں۔ میرے پاس ایک اونٹ ہے اور مجھے کرشل کی فروخت سے اچھا خاصہ منافع ملا ہے۔ بچے سونے کے سکے میں نے آج حاصل کیے ہیں۔ میں پہلے ہی ایک امیر آدمی ہوں۔“

”ان میں سے کچھ بھی تو تمہیں اب اہم مسئلے قریب سے نہیں ملتا۔“

وہ تھوڑی دیر تک خاموشی سے کھانے میں مصروف رہے۔ کیسا گرسنے ایک بوتل کھولی اور سرخ رنگ کا مشروب لڑکے کے کپ میں ڈالا۔ اس نے آج تک اتنی مزیدار شراب کبھی نہیں پئی تھی۔

”یہاں شراب کی ممانعت نہیں ہے؟“ لڑکے نے پوچھا۔

گھوڑے کی گامیں ڈھیلی کیس اور گھوڑے نے پتھریلی زمین اور ریت کی طرف زقند لگائی۔ کیمیاگر نصف گھنٹے تک لڑکے کے گھوڑے کا پیچھا کرتا رہا۔

اب کھجور کے درخت ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے اور صرف چاند تھا جو اپنی پوری روشنی صحرا کی ریت کو منتقل کر رہا تھا۔ چاند کی روشنی صحرا کی ریت اور اس میں سے وقتاً فوقتاً ظاہر ہونے والے پتھروں سے منعکس ہو رہی تھی۔ پھر بغیر کسی ظاہری وجہ سے لڑکے کا گھوڑا آہستہ ہو گیا۔

”یہاں زندگی کے آثار مل سکتے ہیں“ لڑکے نے کیمیاگر سے کہا۔

”میں تو صحرائی زبان سے واقف نہیں ہوں مگر یہ گھوڑا یہ زبان جانتا ہے۔“

دونوں گھوڑوں سے نیچے اتر گئے۔ کیمیاگر ابھی تک خاموش تھا۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دونوں پتھروں میں سے کچھ تلاش کرتے رہے تھے۔

ایک دم کیمیاگر رک گیا اور زمین کی طرف بھکا، یہاں پتھروں کے درمیان ایک سوراخ تھا۔ کیمیاگر نے اس سوراخ میں ہاتھ ڈال دیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے سوراخ میں کوئی چیز چل رہی ہو۔

کیمیاگر کی آنکھیں کھل رہی تھیں کہ وہ کسی چیز کو پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر ایک دم اس نے اپنا ہاتھ سوراخ سے باہر نکالا۔

لڑکے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کیمیاگر کے ہاتھ میں ایک سانپ تھا۔

لڑکے نے ایک طرف چھلانگ لگائی۔ سانپ بے چینی سے تڑپ رہا تھا اور اس کی تڑپاہٹ کی آواز صحرا کے سکوت کو توڑ رہی تھی۔ یہ ایک بہت زہریلا سانپ تھا جس کا زہر ایک لمحے میں انسان کی جان لے سکتا تھا۔

”خبردار رہو کہیں ڈس نہ لے“ لڑکا بولا۔

پھر اسے احساس ہوا کہ شاید سانپ پہلے ہی کیمیاگر کو ڈس چکا تھا جب اس نے اس کے بل میں ہاتھ ڈالا تھا۔

کیمیاگر پر سکون تھا۔

”کیمیاگر کی عمر دو سو سال ہے“ اس کے دہن میں انگریز کے الفاظ سنائی دیئے۔ اسے معلوم ہے کہ

صحرا کے زہریلے سانپ کا تریاق کیا ہے۔

کیمیاگر اپنے گھوڑے کے پاس گیا اور کھوار لے کر واپس آ گیا۔

س نے تنواری ڈک سے ریت پر پیسہ اور داگیا اور سانپ کو اس دائرے کے درمیان میں رکھ دیا۔
موذی فوراً پرسکون ہو کر بیٹھ گیا۔

”بے فکر رہو اب یہ اس دایرے سے باہر نہیں نکل سکتا۔“ میا بڑی بولا۔

”تم صحرا میں زندگی تلاش کرنے میں کامیاب رہے۔ میں اسی عمارت کا متلاشی تھا۔“

”یہ اتنا ضروری کیوں تھا؟“ لڑکے نے پوچھا۔

”کیونکہ اہرام صحرا میں گھرے ہوئے ہیں۔“ میا بڑی نے جواب دیا۔

لڑکا خاموش تھا اس کا دل بوجھل تھا۔ وہ بڑبڑاتے رات سے مغموم تھا۔ خزانے کی تلاش کا مطلب تھا
فاطمہ سے جدائی۔

”میں صحرا سے نکلنے میں تمہاری رہنمائی کروں گا۔“ میا بڑی بولا۔

”لیکن میں نخلستان میں رہنا چاہتا ہوں۔“ لڑکے نے جواب دیا۔ ”میں نے فاطمہ کو پا لیا ہے اور وہ
میرے لیے دنیا کے کسی بھی خزانے سے زیادہ قیمتی ہے۔“

”فاطمہ اس صحرا کی جینی ہے۔“ میا بڑی نے جواب دیا۔

”وہ جانتی ہی ہے مرد ہمیشہ منزل کی تلاش میں جاتے ہیں اس امید کے ساتھ کہ وہ واپس لوٹیں گے۔
اس کی بھی یہ خواہش ہے کہ تم بھی اپنی منزل تلاش کرو۔“

”لیکن اگر میں منزل کی تلاش کرتا رہتا ہوں تو؟“ لڑکے نے پوچھا۔

”میں تمہیں بتاتا ہوں کہ پھر کیا ہوگا۔“ میا بڑی بولا۔

”تم نخلستان میں مشاورت کے فرائض انجام دے گے۔ تمہارے پاس پہلے ہی کافی دولت ہے تم فاطمہ
سے شادی کر لو گے اور ایک سال تک بخوشی زندگی گزارو گے۔ تم صحرا سے بھی مانوس ہو جاؤ گے، نخلستان
کے ہر گوشے سے بھی۔ تم نخلستان کے ایسے ایسے رشتے آکاہ ہو گے۔ تم دیکھو گے اور تمہیں معلوم ہوگا کہ
دنیا میں ہر شے کیسے آہستہ آہستہ بدل رہی ہے مشاہدے میں پختگی کے ساتھ ہی تمہاری علامات سمجھنے کی
صدایت بھی بڑھ گئی۔ کیونکہ صحرا بذاتِ خود ایسا بہت بڑا مدرسہ ہے۔“ میا بڑی نے توقف کیا۔

”دوسرے سال تمہیں خزانے کا خیال آئے گا۔ علامات اپنے آپ کو ظاہر کریں گی اور تم ان کو نظر انداز
کر دو گے۔ تمہارے علم سے نخلستان اور اس کے باہر مستفید ہونگے۔ سردار تمہارے معتقد ہونگے اور تمہارے
قافلے تمہارے لیے دولت جمع کرنے کا ذریعہ ہونگے۔“

”تیسرے سال بھی علامات اپنا نہہور جاری رکھیں گی اور تمہیں تمہاری منزل یاد دلائیں گی۔ تم بے چینی سے راتوں کو نخلستان کی ریت پر چہل قدمی کرو گے اور یہ فطمہ کے لیے ناقابل برداشت ہوگا۔ کیونکہ وہ سمجھے گی کہ وہ تمہاری پریشانی کی وجہ ہے۔ تمہیں بھی چونکہ احساس ہوگا کہ اس نے تمہیں نہیں روکا تھا بلکہ یہ تمہارے واپس نہ آسکنے کا خوف تھا جس کی وجہ سے تم نے نخلستان میں رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس وقت علامات تمہیں بتائیں گی کہ تمہارا خزانہ ہمیشہ کے لیے دفن ہو گیا ہے۔“

”پھر چوتھے سال علامات تم سے جدا ہو جائیں گی کیونکہ تم نے ان کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اس کا مہم قبیضہ کے سردار ہو بھی، ہو جائے گا اور وہ تمہیں مشورت کے عہدے سے برخاست کر دے گا۔ تب تک تم ایک مہم دار تاجر بن چکے ہو گے۔ نین مہمات تمہارا ساتھ چھوڑ چکی ہوگی کیونکہ تم نے ان پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اور تمہیں احساس ہوگا کہ اب منزل کی تلاش کرنا ناممکن امر ہے۔“

لڑکے کو کرشل فروش کا خیال آیا جس کی خواہش تھی کہ وہ مکہ جائے۔ اور پھر انگریز جو کیمیا گر کی تلاش میں نکلا تھا۔ اسے اس خاتون کا بھی خیال آیا جسے صحرا پر اعتماد تھا۔ پھر اس نے صحرا کی طرف دیکھا جو اس کے پاس تھا جس سے وہ محبت کرتا تھا۔

دونوں اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ اب لڑکا کیمیا گر کے پیچھے چل رہا تھا۔ دونوں نخلستان کی طرف واپس چل پڑے۔ ہوا کے دوش پر نخلستان کی صدا آ رہی تھی، لڑکا فطمہ کی آواز سننے کی کوشش میں تھا۔ ”میں تمہارے ساتھ جاؤں۔ یہ تیار ہوں۔“ اس نے کیمیا گر سے کہا اور یک دم اس کا دل پر سکون ہو گیا۔

”ہم کل سورج نکلنے سے پہلے روانہ ہو گئے۔“ کیمیا گر نے جواب دیا۔

لڑکے نے رات بے سکوئی سے نزاری۔ سورج نکلنے سے دو گھنٹے قبل اس نے اس لڑکے کو ڈھونڈا جو پہلی رات اس کے ساتھ خیمے میں تھا اور اس سے کہا کہ وہ فطمہ کا ڈھونڈنے میں اس کی رہنمائی کرے۔ جب دونوں فطمہ کے خیمے کے پاس پہنچے تو لڑکے نے اپنے ساتھی کو اتنا سونا دیا کہ وہ ایک بھیڑ خرید سکے پھر اس نے اس لڑکے سے کہا کہ وہ اندر جا کر فطمہ کو جانے اور اسے لڑکے کے آنے کی اطلاع دے۔ جب وہ واپس آیا تو لڑکے نے عربی کو ایک اور بھیڑ کی قیمت جتنا سونا دیا اور کہا کہ وہ چلا جائے۔

فطمہ خیمے کے دروازے پر غائب ہوئی۔ دونوں چلتے ہوئے کھجوروں کے پاس آ گئے۔ لڑکے کو معلوم تھا کہ یہ بات یہاں کے دستور کے خلاف تھی لیکن اب اسے اس بات کی فکر نہیں تھی۔

”میں جا رہا ہوں۔“ وہ بولا۔

”لیکن میں واپس آؤں گا۔ مجھے تم سے محبت ہے کیونکہ“

”کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کسی سے محبت صرف اس لیے کی جاتی ہے کہ اس سے محبت ہوتی ہے۔ محبت کے لیے کسی وجہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔“

”میرا ایک خواب تھا، رتب میری ملاقات ایک بادشاہ سے ہوئی۔“ لڑکے نے اپنی بات جاری رکھی۔

”میں نے کرسٹل شاپ میں کام کیا اور پھر میں نے صحرا کو عبور کیا۔ پھر قبائل کے درمیان لڑائی کی وجہ سے یہاں رکن پڑا اور میں کیسا ٹری تلاش میں تم سے ملا۔ مجھے تم سے محبت ہے۔ اس لئے کائنات کی ہر شے نے معاونت کی کہ میں تم سے مل سکوں۔“

دونوں بغلیں ہو گئے اور یہ پہلی دفعہ تھا کہ دونوں نے ایک دوسرے کو چھوا تھا۔

”میں واپس آؤں گا۔“ لڑکا بولا۔

”اس سے قبل میں صحرا کی طرف خانی نظروں سے دیکھتی تھی۔“ فاطمہ بولی۔

”اب ان آنکھوں میں امید ہوئی۔ میرا باپ بھی صحرا کے سفر پر گیا تھا اور پھر میری ماں کے پاس واپس آ گیا ہمیشہ کے لیے۔“

دونوں واپس مڑے اور لڑکی کے خیمے کی طرف چل پڑے۔ جب وہ خیمے کے دروازے پر پہنچے تو لڑکا بولا

”میں بھی اسی طرح واپس آؤں گا جس طرح تمہارا باپ تمہاری ماں کے پاس واپس لوٹ آیا تھا۔“

”تم رو رہی ہو؟“ اس نے فاطمہ کی نمنا آنکھیں دیکھتے ہوئے سواں کیا۔

”میں صحرا کی بیٹی ہوں۔“ اس نے اپنی آنکھیں چھپاتے ہوئے جواب دیا۔

”بہر حال میں ایک عورت بھی تو ہوں۔“ اور وہ خیمے کے اندر چلی گئی۔

صبح کے وقت وہ حسب معمول اپنے کام میں مشغول ہوئی لیکن آج سب کچھ بدل چکا تھا۔ یہ نخلستان

اس لڑکے سے خالی تھا اور اس کا، حول اس کے لیے ویسا کبھی نہیں ہوگا جیسا صرف ایک دن قبل تھا۔ نہ تو اس

میں پچاس ہزار کھجور کے درخت ہوں گے اور نہ تین سو کنوئیں اور نہ ہی یہ وہ نخلستان ہوگا جو مسافروں کو صحرا کی

کڑکٹی دھوپ میں سایہ فراہم کرتا تھا۔

فاطمہ کے لیے یہ نخلستان آج کے بعد ایک صحرا کی مانند ہوگا۔

آج کے بعد اس کے لیے اس نخلستان کی نسبت صحرا زیادہ اہم ہوگا۔ کیونکہ اس صحرا میں ایک ایسا

انسان تھا جو اس سے صرف اس لیے محبت کرتا تھا کہ اسے اس سے محبت تھی۔ اس محبت کے لیے کسی وجہ کی ضرورت نہیں تھی۔ آج کے بعد اس کی نگاہیں صحرا کی طرف لگی رہیں گی اور وہ اندازہ لگائے گی کہ کون سے ستارے کی سمت میں اس کا محبوب چل رہا ہے۔ اس ستارے کے حوالے سے وہ اپنے محبوب کا دیدار کرے گی۔ آج کے بعد صحرا اس کے لیے امید کی علامت ہوگا۔



”اس کی فکر نہ کرو جسے تم پیچھے چھوڑ آئے ہو۔“ سفر پر روانہ ہوتے ہوئے کیسیا گرنے لڑکے کو ہدایت دی۔
 ”ہر چیز نکھی ہوئی ہے اور یہ تحریر ہمیشہ وہاں رہے گی۔“

”مرد گھر چھوڑنے کے بعد اس کی طرف لوٹ آنے کے بارے میں زیادہ سوچتے ہیں۔“ لڑکے نے جواب دیا۔

”جو آپ نے پیچھے چھوڑا ہے وہ اگر باہر ہے تو تمہاری، انہی پر تمہیں ایسا ہی ملے گا۔ لیکن اگر وہ روشنی کا ہار تھا جیسا کہ ستاروں کے ٹوٹنے پر ہوتا ہے تو وہ انہی پر تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔“ کیسیا گری کی زبان میں بول رہا تھا لیکن لڑکا اس کا مفہوم سمجھ سکتا تھا۔

پھر بھی اس کے لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ فطرہ کے بارے میں اپنے آپ کو سوچنے سے باز رکھ سکے۔ صحرا کی یکسانیت اسے خواب دیکھنے پر مجبور کر رہی تھی۔ اس کے چشم تصور میں کھجوروں کے درخت تھے اور کنوئیں تھے اور اس خاتون کا چہرہ تھا جس سے اسے محبت تھی۔

وہ انگریز کو چشم تصور میں دیکھ سکتا تھا جو اپنے تجربے میں مشغول تھا۔ اور ہدی بان جو کہ ایک ایسا استاد تھا جسے خود بھی اس بارے میں معلوم نہیں تھا۔

”شاید کیسیا گری کو کبھی محبت کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔“ لڑکے نے سوچا۔

کیسیا گری آگے آگے تھا اور اس کے کندھے پر باز تھا۔ پرندے کو صحرا کی زبان معلوم تھی۔ جب بھی کیسیا گری رکتا تو باز محو پرواز ہو جاتا اور انہی پر اپنے ساتھ شکار لاتا کبھی خرگوش اور کبھی کوئی پرندہ۔ رات کے وقت وہ آگ کو چھپا کر روشن کرتے تھے۔ صحرا کی راتیں سرد تھیں اور چاند کے زوال کے ساتھ ساتھ تاریک سے تاریک تر ہو رہی تھیں۔

وہ ایک ہفتہ تک چلتے رہے۔ اس دوران ان کی گنتی کا مجموعہ زیادہ تر صحرائے سفر کے دوران کی جانے والی احتیاط رہی تھی۔ اور یہ کہ اس طرح سے قبائلی جنگ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا ہے۔ لڑائی جاری تھی اور ہوا میں کبھی سپینے اور کبھی خون کی دھواں مل سجاتی تھی۔ جنگ نہیں قریب ہی ہو رہی تھی۔ اس سے لڑکے کو اس بات کا احساس ہوا کہ نشانیاں انسان کو وہ بات بتاتی ہیں جو آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔

ساتویں روز کیسیاؑر نے قبل از وقت یزاد کا فیصلہ کیا۔ باز شکاری تلاش میں روانہ ہوئے اور کیسیاؑر نے اپنی بیوی کی بوتل کے نوپیش کی۔

”تم تقریباً اپنی منزل سے قریب پہنچ چکے ہو۔ یہاں رہو۔“

”اپنی منزل کی تلاش جانفشانی سے جاری رکھتے ہیں تمہارا ہمارا کئے مستحق ہو۔“

”لیکن تمام راستے آپ نے مجھے چھو نہیں بتایا۔“ لڑکے نے سوال کیا۔

”میرا خیال تھا کہ آپ مجھے بہت چھو سکتے ہیں۔ اس سے قبل صحرائے سفر کے دوران میرے ساتھ

کے پاس کتا نہیں تھیں جن میں ایسیاؑری نے بار بار میں معلومات تھیں۔“

”یہ سب چھو سیکھنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔“ ایسیاؑر بولا۔

”اور وہ ہے عمل۔ تم نے جو بھی سیکھا تھا وہ تم نے اپنے سفر کے دوران سیکھا اب تمہیں صرف ایک چیز

اور سیکھنے کی ضرورت ہے۔“

لڑکا ہمتن گوش تھا کہ کیسیاؑر اسے یا پتہ سیکھاتا ہے لیکن ایسیاؑر خاموشی سے افق کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”آپ کو کیسیاؑر کیوں آتے ہیں۔“ لڑکے نے سوال کیا۔

”کیونکہ میں کیسیاؑر ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔

”جن دوسرے لوگوں نے دھات کو سونے میں بدلنے کی کوشش کی وہ ناکام کیوں رہے؟“ لڑکے نے

استفسار کیا۔

”وہ لوگ صرف سونے کی تلاش میں تھے۔“ کیسیاؑر نے جواب دیا۔

”وہ خزانہ تو پانا چاہتے تھے لیکن اس کے لیے مشقت کرنے کو تیار نہیں تھے۔“

”وہ ایک چیز کیا ہے جسے سیکھنے کی مجھے ضرورت ہے؟“ لڑکے نے پوچھا۔ کیسیاؑر ابھی بھی افق کی

طرف دیکھ رہا تھا۔ آخر اس طرف سے بازو ایس آتا تھا جی دیا۔ انہوں نے اوٹ میں آگ جلائی تاکہ اس کی

روشنی کسی کو نظر نہ آئے۔

”میں کیسٹ گر اس لیے ہلاتا ہوں کیونکہ میں کیسٹ گر ہوں۔“ اس نے کھانا پکاتے ہوئے کہا۔

”میں نے فین اپنے دادا سے سیکھا تھا اور میں نے اپنے باپ سے اور اسی طرح یہ سلسلہ بہت دور تک پھیلنا ہوا ہے۔ ان دنوں اسم اعظم پنھنجی ترقی پر بھاجا سکتا تھا لیکن ان دنوں نے پھر آسان چیزوں کو رد کرنا شروع کر دیا اور اس کی جگہ غیر ضروری تہ صیل اور فلسفیانہ تحریروں نے لے لی۔ اور انہوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ ان کی رسائی ان چیزوں تک ہے جو اس نے قبل دووں سے چھپی ہوئی تھیں۔ اس نے وہ مشکل پسند ہوتے گئے اور غیر ضروری تفصیل سے بات اور بہ تریطیل سے طویل تر ہوتی گئی۔ لیکن پھر بھی پنکھراج کی تختی ابھی تک سلامت ہے۔“

”آخر اس تختی پر تحریر کیا ہے؟“ لڑکے نے پوچھا۔

کیسٹا گر نے ریت پر کچھ لکھنا شروع کیا اور پانچ منٹ کے اندر ایک شکل بنائی۔

جس وقت کیسٹا گر ریت پر کچھ لکھنے میں مصروف تھا، لڑکے بوزھے بادشاہ کا خیال آیا۔

”تختی پر یہ تحریر ہے۔“ کیسٹا کرنے جب سمجھا کہ تم یہ تو بوی۔

لڑکے نے تحریر کو پڑھنے کی کوشش کی لیکن اسے نامکامی ہوئی۔

”اس طرح کی تحریر میں نے گمریز کی کتاب میں دیکھی تھی۔ نہیں یہ اس طرح کی ہے جیسے پرندوں کی

پرواز تھی۔ صرف منطق کے ذریعے اس کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ یہ کائنات کی روح تک رسائی کا براہ راست طریقہ ہے۔“

”دانا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا جنت کا ایک نمونہ ہے یا اس کا عکس ہے۔ اس کا وجود اس بات کی عدم

ہے کہ کہیں پر ایسی دنیا بھی ہے جو ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ خدا نے یہ دنیا اس لیے بنائی کہ اس دنیا میں نظرائے

والی چیزوں کے واسطے سے وہ اس سے رو جانی وجود تک رسائی حاصل کر سکیں اور اس کی محیر العقول نشانیوں

کو سمجھ سکیں اور عمل سے یہی کچھ مراد ہے۔“

”کیا مجھے بھی اس تختی کی تحریر کو سمجھنا چاہیے؟“ لڑکے نے سوال کیا۔

”شاید اگر تم کیسٹا گر کی تجربہ گاہ میں ہوتے تو یہ اس تحریر کو سمجھنے کا بہترین وقت ہوتا۔ لیکن چونکہ تم

صحرا کے بچوں بیچ ہو اس لیے اپنے آپ کو اس میں غم نہ کرو۔ صحرا تمہیں دنیا کی سمجھ و دیت کر دے گا۔ بلکہ دنیا

کی کوئی بھی چیز اس کی اہمیت رکھتی ہے۔ تمہیں صحرا سمجھنے کی بھی ضرورت نہیں تم ریت کے ایک ڈڑے پر

بھی غور کرو تو تمہیں اس میں بھی تخلیق کے محیر العقول کارنامے نظر آئیں گے۔ اور اپنے دل کی آواز سنو۔ اس

کو قدرت کے تمام تر رازوں تک رسائی حاصل ہے کیونکہ اس کا اپنا وجود اس کائنات کی روح سے نکلا ہے اور وہیں اسے ایک دن لوٹ کر جانا ہے۔



وہ دونوں صحرا میں مزید دو دن تک چلتے رہے۔ کیسی گریاب اور زیادہ محتاط ہو گیا تھا کیونکہ وہ ایسے علاقے میں داخل ہو گئے تھے جہاں لڑائی زیادہ شدت اختیار کر چکی تھی۔ جیسے جیسے وہ صحرا میں آگے بڑھ رہے تھے لڑکا اپنے دل کی آواز سننے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس سے قبل اس کا دل سے بہانیاں سناتا تھا مگر اب وہ خاموش تھا۔ پہلے اس کا دل اسے گھنٹوں اپنی اداسی کی دستاویز سناتا تھا اور ابھی صحرا میں طلوع آفتاب کے منظر پر اتنا جذبہ باقی ہو جاتا کہ لڑکے کے لیے اپنے آنسو چھپنا مشکل ہو جاتا۔ جب خزانے کا راز آتا تو اس کی دھڑکن تیز ہو جاتی تھی اور جب اس کی نظر نہ ختم ہونے والے صحرا پر پڑتی تو یہاں بنے مکانات، مین، وہ خاموش بھی نہیں نہ ہوتا۔ اس وقت بھی نہیں جب لڑکا اور کیسی گری خاموش ہوتے تھے۔

”ہمیں آخر اپنے دل کی آواز سننے کی کیا ضرورت ہے؟“ اس نے کیسی گری سے سوال کیا جب وہ پڑاؤ ڈال چکے تھے۔

”کیونکہ جہاں بھی تمہارا دل ہوگا وہیں خزانہ ملے گا“ کیسی گری نے جواب دیا۔

”لیکن میرا دل تو بہت پریشان ہے۔“ لڑکا تلخی سے بولا۔ ”اس میں خواب ہیں، اس میں جذبات کا ایک سمندر موجزن ہے اور یہ مجھے بہت تکلیف دیتا ہے اور مجھے راتوں کو چین نہیں دیتا۔“

”بہت خوب پھر تو تمہارا دل زندہ ہے۔ اس کی بات پر دھیان دو۔“ کیسی گری نے کہا۔

اگلے تین دن دونوں کا گزر ان قبائل کے درمیان سے ہوا جو لڑائی میں مشغول تھے۔ لڑکے کا دل خوفزدہ تھا۔ وہ اسے ان لوگوں کی کہانیاں سناتا تھا جو اپنی منزل کی تلاش میں نکلے لیکن کبھی لوٹ کر واپس نہیں آئے۔ کبھی وہ لڑکے کو ڈراتا تھا کہ شاید وہ بھی خزانہ ڈھونڈنے میں کامیاب نہ ہو سکے یا پھر وہ صحرا کے بچوں بچ مر جائے گا۔ اور کبھی وہ لڑکے کو بتاتا کہ وہ مطمئن تھا کیونکہ اس کو محبت ملی تھی اور دولت بھی۔

”میرا دل تو باغی ہے۔“ لڑکے نے کیسی گری کو بتایا۔ ”یہ نہیں چاہتا کہ میں آگے جاؤں۔“

”اس کا مطلب سمجھ میں آتا ہے۔“ کیمیاگر بولا۔

”آخر یہ فطری عمل ہے۔ تمہارے دس میں یہ خوف موجزن ہے کہ تم اپنی منزل کی تلاش میں وہ کچھ بھی کھو نہ بیٹھو جو اس وقت تمہارے پاس ہے۔“

”تو پھر مجھے اس کی آواز سننے کی کیا ضرورت ہے؟“

”کیونکہ تم اسے خاموش نہیں کر سکتے۔ چاہے تم ظاہر کرتے رہو کہ تم اس کی آواز نہیں سن رہے یہ پھر بھی اپنی بات دہراتا رہے گا اور تمہیں بتاتا رہے گا کہ تم کیا سوچ رہے ہو، اس زندگی کے بارے میں دنیا کے بارے میں۔“

”آپ کا مطلب ہے کہ میں اس کی بات سنتا رہوں چاہے یہ آواز بغاوت ہی کیوں نہ ہو“ لڑکے نے استفسار کیا۔

”بغاوت وہ عمل ہے جو غیر متوقع طور پر آتا ہے۔ اگر تم اپنے دل کو سمجھتے ہو تو تم اس کے دھوکے میں کبھی نہیں آؤ گے۔ کیونکہ تمہیں معلوم ہو گا کہ اس سے خواب کیا ہیں؟ یہ کیا چاہتا ہے؟ اور تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ اس کے ساتھ کیسے سوک کرنا ہے؟ تم کبھی اپنے دل سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس کی آواز سنو اس طرح تم اس کے غیر متوقع وار سے محفوظ رہ سکو گے۔“

صحرا میں سفر کے دوران بڑا مسلسل اپنے دل کی آواز سنتا رہا۔ اسے آہستہ آہستہ اس کی چالوں کی سمجھ آنے لگی۔ اس کے دل سے خوف نکل گیا اور واپس جانے کا خیال بھی جا تا رہا۔ ایک دو پہر اس کے دل نے اس کو بتایا کہ وہ بہت خوش ہے۔

”اگرچہ کبھی کبھار میں شکایت بھی کرتا ہوں“ اس کا دل بولا۔

”ایسا اس لیے ہے کہ میں ایک انسان کا دل ہوں اور انسانوں کے دل اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ لوگ اپنے خوابوں کی تعبیر ڈھونڈنے میں خوفزدہ ہوتے ہیں کیونکہ ان کا خیال ہوتا ہے کہ وہ اس قابل نہیں ہیں یا پھر وہ اسے حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے۔ ہم دل اس لیے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ محبت کرنے والے ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا نہ ہو جائیں یا پھر کچھ لحظات جو بہتر ہو سکتے تھے مگر نہیں ہوئے۔ یا پھر کچھ خزانے جو مل سکتے تھے لیکن ہمیشہ کے لیے ریت کے نیچے دب گئے اور جب اس طرح ہوتا ہے تو ہمیں بہت دکھ اٹھانا پڑتا ہے۔“

”میرے دل کو خوف ہے کہ اسے تکلیف سے زخمی نہ کرے گا“ لڑکے نے اس وقت بتایا جب اندھیری رات میں دونوں آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”اپنے دل کو بتاؤ کہ تکلیف کا رخنہ تکلیف سے بدتر ہوتا ہے اور کسی دل کو آج تک تکلیف سے نہیں گزرنا پڑا جب وہ اپنی منزل کی تلاش میں نکلتا ہے یونہی اس تلاش کا ہر لمحہ خدا سے ملاقات کی گھڑی ہوتی ہے“

”تدش کا ہر لمحہ خدا سے ملاقات کی گھڑی ہوتی ہے۔“ لڑکے نے اپنے دل سے کہا۔

”جب میں خزانے کی تلاش میں نکلا تو ہر آنے والا دن گزرنے والے دن سے زیادہ روشن ہے۔ کیونکہ ہر لمحہ یہ میدان مضبوط ہو جاتی ہے نہ میں یہ خزانہ پاؤں گا۔ جب سے میں خزانے کی تلاش میں نکلا ہوں میں سنے ہر لمحہ پتھ نہ پتھ سیکھا ہے جو کہ میں نہیں سیکھ سکتا تھا اور مجھ میں اتنی ہمت نہ ہوتی کہ میں وہ تجربہ تار سکوں جو ایک چرواہا ہے۔“ لڑکے نے ناممکن تھے۔

اس کا دل وہ پہر تک خاموش رہا۔ اس رات بڑے خوبصورت سکون کی نیند آئی اور جب وہ صبح کو بیدار ہوا اور اس کا دل اس سے مخاطب ہوا تو اس نے بڑے وہ باتیں بتائیں جن کا تعلق کائنات کی روح سے تھا۔

”وہ ترم لوگ جو مطمئن ہوتے ہیں ان کے دل اندر اللہ ہوتا ہے“ دل نے اسے بتایا۔

”خوشی ریت۔ ایسا ذرا سے ہی مل سکتی ہے یونہی ریت کا ہر ذرہ بھی تخلیق کا ایک لمحہ ہے۔ سے تخلیق کرنے کے لیے کائنات نے اکھنوں میں صرف یہ ہیں۔ دنیا میں ہر شخص کے لیے ایک خزانہ منتظر ہے“ اس کے دل نے اسے بتایا۔

”ہم انسانوں کے دل انہیں خزانوں نے بارے میں زیادہ اس لیے نہیں بتاتے کہ انسان اب مزید ان کو تلاش کرنا گوارہ نہیں کرتے۔ ہم بچوں کو اس بارے میں بتاتے ہیں اور پھر زندگی کو اس کی ڈگر پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اسے اپنے مقدر کی جانب جانے کی اجازت دیتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ ان میں سے بہت کم لوگ ان راستوں کو اختیار کرتے ہیں جو ان کے لیے متعین کیے گئے ہوتے ہیں وہ رستے جو ان کو ان کی منزل کی جانب لے جاتے ہیں اور خوشی کے طرف۔ اکثر لوگ اس دنیا کو ایک خطرناک جگہ تصور کرتے ہیں اور کیونکہ یہ ان کا اعتماد ہوتا ہے اس لیے ان کے لیے واقعی ایک خطرناک جگہ بن جاتی ہے۔ اس لیے ہم ان سے بہت آہستگی سے اور بہت نرمی سے بات کرتے ہیں۔ ہم اگرچہ بات سے تو کبھی بھی باز نہیں آتے لیکن ہم دعا کرتے ہیں کہ لوگ ہماری آواز نہ سن سکیں کیونکہ لوگ ہماری بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے اس لیے ہم نہیں چاہتے کہ انہیں تکلیف ہو۔“ دل آخر انسان کو اس بات پر کیوں نہیں مجبور کرتا کہ وہ اپنی منزل کی تلاش جاری رکھے؟ لڑکے نے کیمیا گر سے پوچھا۔

”کیونکہ اس طرح دل کو ناقابل برداشت اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو وہ کرنا نہیں چاہتا۔“ کیمیا گر

نے جواب دیا۔

اس کے بعد لڑکے کو اپنے دل سے آگاہی حاصل ہوگئی۔

”مجھ سے بات کرنا کبھی ختم نہ رہنا۔“ اس نے اپنے من سے کہا۔

”اور جب میں اپنی منزل سے ہٹنے لگوں اور اس بات کا غلط ہونا کہ میں اپنی فانی خواہش ترک کر دوں گا تو مجھے جھنجھوڑنا، مجھے جگانا اور میں جہد کرتا ہوں۔ جب بھی مجھے تمہاری آواز سنائی دی تو میں ضرور اس پر عمل کروں گا۔“

اس رات اس نے یہ تمام بات یہیاد دیتائی۔ کیونکہ اس نے محسوس کیا کہ لڑکے کا دل کائنات کی روح کی طرف لوٹ آیا تھا۔

”اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟“ لڑکے نے پوچھا۔

”اہرام کی جانب سفر جاری رکھو۔“ یہیہا کرنے کا جواب دیا

”اور عداوت کی پہچان اور اس پر عمل کرنے پر بھی کاربند رہو۔ تمہارا دل یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ خزانے تک تمہاری رہنمائی کر سکے۔“

”کیا یہی وہ واحد چیز ہے جسے جاننے کی ضرورت تھی؟“

”نہیں!“ یہیہا گرا بولا۔

”جس چیز کو جاننے کی تمہیں ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ اس سے قبل کہ تمہیں اپنے خواب کی تعبیر ملے، کائنات کی روح تمہارا امتحان لے گی۔ یہ کسی منظم نقطہ نظر سے نہیں ہوتا بلکہ اس لیے کہ خزانے کے ساتھ ہم اس پر بھی عبور حاصل کر لیں جو ہم نے سیکھا ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے جہاں زیادہ تر لوگ جدوجہد ترک کر دیتے ہیں۔ اس کو ہم صحرائی زبان میں کہتے ہیں۔“ مسافر نے پیاس سے اس وقت جان دے دی جب اس کی نظریں افق پر کھجور کے درختوں کو دیکھ سکتی تھیں۔ ”ہم تلاش کا آغاز بتدانی کامیابی سے اور اختتام فتح کے اختتام پر ہوتا ہے“ لڑکے کو اپنے وطن کی ایک ضرب المثل یاد آئی۔ ”رات کے تاریک ترین لمحات صبح سے تھوڑی دیر قبل آتے ہیں۔“

اگلی صبح خطرے کا پہلا نشان مسافر جھنجھوڑ کی آمد کی صورت میں ظاہر ہوا۔ انہوں نے ان دونوں کو گھیرے میں لے کر پوچھا کہ وہ اس کس مقصد سے آئے ہیں؟

”میں اپنے باز کے ساتھ کارٹھیلے نکلا ہوں“ یہیہا کرنے کا جواب دیا۔

”ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہوگی تاکہ ہم تسلی کر سکیں کہ آپ لوگ مسافر تو نہیں ہیں“ جنگجو بولے۔ وہ

دونوں اپنے اپنے گھوڑوں سے نیچے اتر گئے۔

”تمہارے پاس اتنی رقم کیوں ہے؟“ قبائلی جنگجو نے بڑے کی تلاش لیتے ہوئے سوال کیا۔

”میں اہرام مصر تک جانے کے لیے گھر سے نکلا ہوں“ لڑکے نے جواب دیا۔

ایک جنگجو کیسیا گئے سامان کی تلاشی لے رہا تھا اس نے کیسیا گئے سامان سے ایک بوتل نکالی جس

میں کوئی مشروب تھا اور ایک شیشے کا پیلے رنگ کا انڈا جو مرغی کے انڈے سے تھوڑا سا بڑا تھا۔

”یہ کیا ہے؟“ جنگجو نے کیسیا گئے سے سوال کیا۔

”آب حیات ہے اور سنہ فساد۔ یہ کیسیا گئے کا کارظیم ہے۔ جو کوئی بھی آب حیات پیئے گا تمام

امراض سے محفوظ رہے گا۔ اور اس انڈے کا ایک بھی ذرہ کسی بھی دھات لوہے میں بدل دے گا۔“

عربی اس پر ہنسنے لگے۔ ”کیسیا گئے بھی مسکائیے۔ انہیں کیسیا گئے کا بیان بہت مضحکہ خیز لگا۔ انہوں نے

دونوں کو جانے کی اجازت دے دی۔

”آپ ہوش میں تو تھے؟“ لڑکے نے بدوؤں کے جانے کے بعد کیسیا گئے سے پوچھا۔

”آپ نے ایسا کیوں کہا؟“

”تاکہ تم زندگی کے ایک سادہ سے سبق سے گاہی حاصل کر سکو۔“ کیسیا گئے نے جواب دیا۔

”جب تمہارے پاس کوئی خزانہ ہو اور تم لوگوں کو بتاؤ تو بہت کم لوگ تم پر اعتبار کریں گے۔“

دونوں نے صحرا میں ایسا سفر جاری رکھا۔ ہاتھ والے دن کے ساتھ لڑکے کا دل خاموشی سے خاموش

تر ہوتا جا رہا تھا۔ اسے نہ تو ماضی و جاننے میں دلچسپی تھی اور نہ مستقبل کے بارے میں پریشان تھا۔ وہ صرف

صحرا پر غور کرنے میں مگن تھا اور لڑکے کے ساتھ وہ بھی کائنات کی روح میں غوطہ زن تھا۔ دونوں ایک

دوسرے کے دوست تھے اور کوئی بھی دھوکہ دہی کا مرتکب ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

جب بھی اس کا دل اس سے مخاطب ہوتا، اس کا مقصد لڑکے کو سوچنے کے لیے آمادہ کرنا ہوتا تھا اور اسے

طاقت پہنچانا کیونکہ صحرا کے دن بہت ہی تکلیف دہ تھے۔ اس کے دل نے اسے بتایا کہ اس کی سب سے بڑی

طاقت کیا ہے؟۔۔۔ اس کی ہمت۔

بھینروں کو چھوڑ کر اپنے خواب کی تعبیر کی تلاش کی ہمت اور اس کا عزم جس کا مظاہرہ اس نے

کرشل شاپ میں کام کے دوران کیا تھا۔

اس کے علاوہ اس کے دل نے لڑکے کو ایک ایسی چیز کے بارے میں بھی آگاہ کیا جس سے وہ اب تک

لاعلم تھا اس نے اسے ان خطرات کے بارے میں بتایا جو لڑکے کو کبھی لاحق تھے مگر وہ ان سے یکسر لاعلم تھا۔

اس نے بتایا کہ ایک روز اس نے وہ رافٹ لڑکے کی آنکھوں سے اوجھل کر دی تھی جو لڑکے نے اپنے باپ سے لی تھی کہ مہدالڑکا اپنے آپ کو نقصان پہنچا بیٹھے۔ اور پھر ایک روز جب لڑکے کو بہت زیادہ مٹلی آئی اور وہ ٹڈ حال ہو کر زمین پر گر گیا اور اسے خیند آگئی۔ اس روز دو ڈاکو راستے میں اس لیے گھات لگا کر بیٹھے ہوئے تھے کہ جب وہ وہاں سے گزرے گا تو اسے قتل کر کے اس کی بھیڑیں چھین لیں گے لیکن جب وہ کافی دیر تک وہاں سے نہ گزرا تو وہ دونوں مایوس ہو کر چلے گئے۔

”کیا انسان کا دل ہمیشہ اس کی مدد کرتا ہے؟“ لڑکے نے کیمیاگر سے پوچھا۔

”زیادہ تر تو وہ ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جنہیں اپنی منزل کی تلاش ہوتی ہے مگر یہ بچوں اور ضعیف العمر لوگوں کی بھی مدد کرتے ہیں۔“ کیمیاگر نے جواب دیا۔

ایک دوپہر ان کا گزر ایک قبیلے کے پڑاؤ کے پاس سے ہوا۔ پڑاؤ کے ہر کوئی نے خوبصورت کپڑوں میں ملبوس مسلح عربی پہرہ دارے رہے تھے۔ کچھ مرد حقہ پی رہے تھے اور جنگ کی کہانیاں سن رہے تھے۔ کوئی بھی ان دونوں کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔

”ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔“ لڑکا اس وقت بولا جب وہ لوگ پڑاؤ سے گزر گئے۔

”اپنے دل پر اعتماد ضرور کرو مگر یہ نہ بھولو کہ تم صحرا میں ہو۔“ کیمیاگر غصے سے بولا۔ ”جب بھی لوگ لڑائی میں مشغول ہوتے ہیں تو کائنات کی روح انسانوں کی چیخیں سن سکتی ہے اور کوئی بھی آسمان کے نیچے ہونے والے واقعات کے رد عمل سے محفوظ نہیں رہتا۔“

”تمام چیزیں دراصل ایک ہی ہیں۔“ لڑکے نے سوچا۔

دو گھوڑ سوار ان کے عقب سے ظہر ہوئے۔ ایسے لگتا تھا کہ صحرا کیمیاگر کی بات سچ ثابت کرنے پر تل گیا تھا۔

”رُک جاؤ۔“ ایک گھوڑ سوار نے انہیں مخاطب کیا۔

”تم اس علاقے میں ہو جہاں قبائل کے درمیان لڑائی ہو رہی ہے۔“

”لیکن ہم لوگ زیادہ دور نہیں جا رہے۔“ کیمیاگر نے گھوڑ سوار کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب

دیا۔ دونوں گھوڑ سواروں نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد دونوں کو آگے جانے کی اجازت دے دی۔ لڑکا دونوں کی گفتگو حیرت سے سن رہا تھا۔

”تمہارے دیکھنے کے انداز نے دونوں کو مغلوب کر دیا تھا“ لڑکا کیمیاگر سے بولا۔

”نگاہیں تمہارے اندر کی حقیقت کا مظہر ہوتی ہیں۔“ کیمیا کرنے جو بے دیا۔

”یقیناً“ لڑکے نے سوچا۔ اسے اس بات کا اس سے قبل بھی تجربہ ہوا تھا۔

آخر کار دونوں نے ایک پہاڑی سلسلے کو عبور کیا تو کیمیا کرنے بتایا کہ اب وہ لوگ اہرام سے صرف دو

گھنٹے کے فاصلے پر ہیں۔ اور جلد ہی ہمارے راستے جدا ہو جائیں گے۔“

”تو پھر مجھے کیمیا گری سکھائیے۔“ لڑکے نے التجائی۔

”تم تو پہلے سے ہی کیمیا گری جانتے ہو۔“ کیمیا کرنے جواب دیا۔

”اصل کیمیا گری ہے کائنات کی روح تک رسائی اور ان خزانوں کی تلاش جو تمہارے لیے محفوظ کیے

گئے ہیں۔“

”میں دھات کو سونے میں بدلنے کا فن جانتا چاہتا ہوں“ لڑکا بولا۔

”دنیا میں موجود ہر چیز ارتقا کے عمل سے گزرتی ہے اور دانا لوگوں کے مطابق سونا اس عمل سے سب

سے طویل عرصہ تک گزرا ہے۔ یہ نہ پوچھنا کہ ایسا کیوں ہوا ہے کیونکہ یہ میں بھی نہیں جانتا۔ لیکن مجھے یقین

ہے کہ روایت ہمیشہ درست ہوتی ہے۔ لوگ ہمیشہ دانا لوگوں کی بات سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اس لیے سونا

عملاً ارتقا کی علامت کی بجائے اختلاف کی علامت بن گیا۔“

”ہر ایک شے کی کئی زبانیں ہیں۔“ لڑکا بولا۔

”کبھی اونٹ کی آواز میرے لیے صرف ایک جانور کی آواز تھی لیکن پھر یہ خطرے کی گھنٹی کے مترادف

ہو گئی اور اب پھر سے یہ صرف ایک جانور ایک آواز ہے۔“

”میری کئی کیمیا گروں سے ملاقات ہوئی ہے۔“ کیمیا کرنے بولا۔

”انہوں نے اپنی عمریں بیسویں میں گزاریں اور دھات کو اس ارتقا کے عمل سے گزرا جس سے کہ

سونا گزرا ہے۔ ان کی پہنچ سنگ فلسفہ تک بھی ہوئی۔ تب انہیں معلوم ہوا کہ جب کوئی چیز ارتقا کے عمل سے

گزرتی ہے تو اس کے ارد گرد کی تمام اشیا بھی اس عمل سے گزرتی ہیں۔ کچھ کیمیا گروں کو ارتقا کا سنگ فلاسفہ

تک رسائی مل گئی۔ وہ پہلے ہی نوازے ہوئے لوگ تھے اور ان کی روح اور لوگوں کی نسبت اس کے لیے پہلے

سے تیار تھی۔ لیکن ان کی تعداد بہت ہی مختصر ہے۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کو صرف سونے سے دلچسپی تھی ان

لوگوں کو اس راز تک کبھی بھی رسائی نصیب نہیں ہو سکی۔ وہ یہ بھول گئے کہ سیدہ تاناہا اور لوہے کی اپنی اپنی منزلیں

ہیں اور جو کوئی بھی کسی اور چیز کی منزل میں مداخلت کرے گا وہ اپنی منزل تک کبھی بھی نہیں پہنچ سکتا۔“

کیمیاگر کے الفاظ لڑکے کو مردہ لگے۔

کیمیاگر نے ریت سے ایک پیلی اٹھائی اور بولا: ”کبھی یہ صحرا بھی سمندر رہا ہوگا۔“

”مجھے معلوم ہے“ لڑکے نے جواب دیا۔ کیمیاگر نے لڑکے کو کہا کہ وہ اپنی نواسپنے کانوں کے ساتھ

لگائے۔ لڑکے نے بچپن میں کئی بار اپنی اپنے کانوں کے ساتھ گائی تھی اور اسے سمندر کی گونج سنانی دی تھی۔

”سمندر اس پیلی میں اس لیے ماسیا کہ یہی اس کی منزل ہے اور یہ اسی طرح ہی رہے گا جب تک صحرا

دوبارہ سمندر میں نہیں بدل جاتا۔“

دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور ابرام کی سمت میں چل پڑے۔



سورج غروب ہونے کے قریب لڑکے و خطے کی ٹھنی سنانی دی۔ دونوں اپنے اپنے ٹیپوں میں گھر

گئے۔ لڑکے نے کیمیاگر کی طرف دیکھا کہ اس نے پتھ محسوس کیا تھا یا نہیں۔ لیکن وہ کسی بھی خطرے سے بے

نیاز تھا۔ پانچ منٹ بعد دونوں کا سامنا دو گھوڑ سواروں سے ہوا جو شاید ان کے انتظار میں تھے۔ اس سے قبل

کہ لڑکا کیمیاگر سے کچھ کہتا ان گھوڑ سواروں کی تعداد دس اور پھر سو ہو گئی اور پھر وہ ٹیپوں میں ہر طرف پھیلے

ہوئے نظر آنے لگے۔

یہ نیلے کپڑوں میں ملبوس قبائلی تھے اور ان کے چہرے نیلے نقابوں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے اور

صرف ان کی آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ اتنے فاصلے کے باوجود ان کی نظریں ان کی اندرونی کیفیت کی مظہر

تھیں۔ ان کی آنکھوں میں موت جھلک رہی تھی۔



دونوں کو ایک فوجی کیمپ میں لے جایا گیا۔ ایک محافظ دونوں کو ایک ایسے خیمے میں لے گیا جہاں

سردار میننگ میں مصروف تھا۔

”یہ دونوں جاسوس ہیں۔“ ایک محافظ بولا۔

”ہم تو صرف مسافر ہیں۔“ کیمیا کرنے جواب دیا۔

”وہ دن قبل تم دونوں دشمن کے ایک کیمپ کے قریب دیکھے گئے تھے اور تم لوگ دشمن کے ایک آدمی

سے محو گفتگو تھے۔“ ایک سردار بولا۔

”میں تو ایک صحرا میں آوارہ گردی کرنے والا شخص ہوں۔ مجھے قبائل کی لڑائی سے بالکل کوئی دلچسپی نہیں

ہے اور نہ ہی مجھے ان کی حرکات کے بارے میں کوئی علم ہے۔ میں تو صرف اپنے دوست کی رہنمائی کر رہا

ہوں۔“ کیمیا کرنے کہا۔

”تمہارا دوست کون ہے؟“ سردار نے پوچھا۔

”کیمیا گر ہے۔“ کیمیا کرنے جواب دیا۔

”یہ قدرت کی طاقتوں کو پہنچاتا ہے اور آپ نے سامنے اپنی خیمہ معمولی طاقت کا مظاہرہ کرنا

چاہتا ہے۔“

لڑکا خاموشی اور خوف سے سن رہا تھا۔

”ایک غیر ملکی یہاں کیا کر رہا ہے؟“ ایک اور عرب نے پوچھا۔

”یہ آپ کے قبیلے کو دینے کے لیے رقم لایا ہے۔“ اس سے قبل کہ لڑکا بولے۔ کیمیا کرنے جواب دیا اور

لڑکے کے تھیلے میں سے سونے کے سکے نکال کر سردار کے حوالے کر دیے۔

سردار نے خاموشی سے یہ سسے وصول کر لیے۔ یہ بہت سارے ہتھیار خریدنے کے لیے کافی تھے۔

”کیمیا گر کیا ہوتا ہے؟“ سردار نے سوال کیا۔

”کیمیا گر وہ شخص ہوتا ہے جو نیا اور قدرت کو جانتا ہو۔ اگر یہ چاہے تو آپ کے اس کیمپ کو صرف

ہوائی طاقت کے ذریعے ملیا میٹ کر سکتا ہے۔“

خیمے میں قہقہے گونجنے لگے وہ سب لوگ جنگ کی ہلاکت خیزیوں کے عادی تھے اور انہیں یقین تھا کہ ہوا

ان کا کچھ بگاڑنے سے قاصر تھی لیکن پھر بھی ان کے دلوں کی دھڑکیں تیز ہو گئی تھیں۔ وہ صحرائی دشمن تھے اور

خطرناک جادوگر تھے۔

”میں یہ دیکھنا چاہوں گا کہ لڑکا یہ سب کچھ کس طرح کرتا ہے؟“ سردار بولا۔

”اس کام کے لیے اسے تین دن درکار ہوں گے۔“ کیمیا کرنے جواب دیا۔

”یہ اپنے آپ کو ہوا میں تحلیل کرے گا تاکہ آپ کے سامنے اپنی طاقت کا مظاہرہ کر سکے۔ اگر یہ ایسا کرنے میں ناکام رہا تو آپ کو اپنی جان کا نذرانہ پیش کرے گا۔“

”تم مجھے اس چیز کا نذرانہ کیسے پیش کرو گے جو ہے ہی میری ملکیت“ سردار نے خیمے سے جواب دیا۔
انہیں تین دن کی مہلت دے دی۔

لڑکے کا خوف کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ کیمیا کرنے سے سہارا دیا اور وہ دونوں خیمے سے باہر آ گئے۔

”انہیں یہ مت معلوم ہونے دو کہ تم خوفزدہ ہو۔“ کیمیا کرنے سے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ ”یہ بہار د لوگ ہیں اور بزدلی سے نفرت کرتے ہیں۔“

لیکن لڑکا کچھ بولنے سے قاصر تھا۔ انہیں قید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ صحرا میں سواری کے بغیر ہر انسان قیدی ہی تھا اور ان کے گھوڑے پہلے ہی ضبط ہو چکے تھے۔ ایک دفعہ قدرت نے پھر اپنی کئی زبانوں کا مظاہرہ کیا تھا، صحرا جو صرف تھوڑی دیر پہلے زراعت کی علامت تھا اب ایک ناقابل عبور فسیل کی شکل اختیار کر گیا تھا۔

”تم نے انہیں میری جمع پونجی دے دی ہے۔“ لڑکے نے کیمیا کرنے سے گلہ کیا۔ ”وہ سب کچھ جمع کرنے میں میں نے پوری زندگی گزاری ہے۔“

”اس دولت کی تمہارے یہ کیا حیثیت ہوتی کہ تم زندہ ہی نہ ہوتے؟“ کیمیا کرنے جواب دیا۔
”تمہاری دوست نے ہمیں زندگی کے تین دن مہیا کیے ہیں اور دوست انسان کو اتنا کچھ کبھی نہیں دے سکتی۔“

لڑکا اتنا خوف زدہ تھا کہ اس پر دانائی کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ہوا میں کیسے تحلیل کرے گا؟ وہ آخر کیمیا گر تو نہیں تھا۔

کیمیا گر نے محافظ سے قبوہ منگوا لیا اور لڑکے کی کابٹی پر تھوڑا سا قبوہ اندھا اس کے جسم میں سکون کی ایک لہر دوڑ گئی۔ کیمیا گر نے زیر لب کچھ پڑھا جو اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

”اپنے آپ پر خوف مت طاری ہونے دو۔“ کیمیا گر نرمی سے بولا۔ ”اگر تم نے ایسا کیا تو تم اپنے دل سے مخاطب نہیں ہو سکو گے۔“

”لیکن مجھے نہیں معلوم کہ میں اپنے آپ کو ہوا میں کیسے تحلیل کروں؟“ لڑکے نے کہا۔

”اگر کوئی اپنی منزل کی تلاش کیلئے رہتا ہے تو اسے ہر اس چیز کا علم ہوتا ہے جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ صرف ایک چیز اس خواب کی تعبیر تک پہنچنے میں رکاوٹ ہوتی ہے وہ ہے خوف۔ ناکامی کا خوف“ کیسٹری نے جواب دیا۔

”میں ناکامی سے خوفزدہ نہیں ہوں مجھے معلوم ہی نہیں ہے کہ میں اپنے آپ کو ہوا میں کیسے تحلیل کروں؟“

”تو پھر تمہیں سیکھنا پڑے گا یونکہ اسی رہتہاری زندگی کا انحصار ہے۔“

”لیکن اگر میں ایسا نہ کر سکا تو؟“

”تو پھر اپنی منزل کی تلاش میں تمہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ لیکن بہر حال تمہاری موت ان رکھوں لوگوں کی موت سے بہر حال بہتر ہوگی جنہیں یہی معلوم نہیں کہ ان کی منزل کیا ہے؟ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ کبھی تبھی موت کا خوف انسان کو زندگی سے زیادہ قریب کر دیتا ہے۔“



پہلا دن گزر گیا۔ نزدیک ہی قبائل کے درمیان خون ریز جھڑپ ہوئی اور کئی زخمی کیمرپ میں لے گئے اور مرنے والوں کی جگہ نئی کمک پہنچادی گئی اور زندگی اپنی ڈگر پر دوبارہ سے رواں دواں ہو گئی۔

”موت کچھ بھی بدلنے سے قاصر ہے۔“ لڑکے نے سوچا۔

”تم کچھ عرصہ اور بھی زندہ رہ سکتے تھے۔“ ایک جنگجو اپنے ساتھی کی لاش سے مخاطب تھا۔

”لیکن بہر حال تمہیں ایک دن مرنا تھا۔ اور آج کے دن مرنا کل مرنے سے مختلف نہیں ہے۔“

شام کے قریب کیسیا گر صحرا کی طرف سے اپنے باز کے ساتھ آتا دکھائی دیا وہ ڈکار کے لیے گیا تھا۔

”مجھے ابھی تک نہیں معلوم کہ میں اپنے آپ کو ہوا میں کیسے تحلیل کر سکتا ہوں؟“ لڑکا کیسیا گر سے

مخاطب ہوا۔

”یاد کرو کہ میں نے تمہیں کیا بتایا تھا کہ، یا خدا کا اٹھانی، میں نے اپنا پہلو ہے۔ اور کیسیا گری روحانی

کماں کو مادی وجود کے ساتھ منطبق کرنے کا نام ہے کیسیا کرنے جواب دیا۔

”آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟“

”اپنے باز کو کھانا کھلا رہا ہوں۔“

”میں اپنے آپ کو ہوا میں تحلیل کرنے سے قاصر ہوں اس لیے ہم دونوں مرنے والے ہیں تو پھر اس کو کھانا کھلانے کا کیا مقصد ہے؟“

”تم شاید موت سے ہمکنار ہو جاؤ“ کیسا گرنے جواب دیا۔

”مجھے تو اپنے آپ کو ہوا میں تحلیل کرنا آتا ہے۔“



دوسرے دن لڑکا کیمپ کے قریب موجود پہاڑی پر چڑھ گیا۔ محافلوں نے فوجی اعتراض نہیں کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ لڑکا اپنے آپ کو ہوا میں تحلیل کر سکتا ہے اس لیے وہ اس کے قریب جانے سے گھبرار رہے تھے۔ اس نے تمام دوپہر صحرا کو گھورتے اور اپنے دل کی آواز سننے میں گزر دی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ صحرا نے اس کا خوف محسوس کر لیا تھا دونوں کی ایک ہی زبان تھی۔



تیسرے دن سردار نے کیسا گر کو بلایا۔

”چودہ دیکھتے ہیں کہ لڑکا اپنے آپ کو ہوا میں کیسے تحلیل کرتا ہے۔“ سردار بولا۔

”چلیں۔“ کیسا گرنے جواب دیا۔

لڑکا ان سب کو ایک پہاڑی پر لے گیا۔ جہاں وہ نکل آیا تھا۔ اس نے تمام مومنوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”آپ کو تھوڑی دیر انتظار کرنا ہوگا۔“ لڑکا بولا۔

”ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔“ سردار نے جواب دیا۔ ”ہم سحرانشین ہیں۔“

لڑکے نے افق کی جانب دیکھا۔ کچھ فاصلے پر پہاڑوں کا سلسلہ تھا ورنیے، چٹانیں۔ پودے ایک

ایسی زمین میں زندہ رہنے کی تگ و دو میں مصروف تھے جہاں زندگی ناممکن تھی۔

یہ وہی صحرا تھا جس تک پہنچنے اور اس کو سمجھنے کی اس میں کبھی شدید تڑپ تھی لیکن وہ صحرا کے اس چھوٹے سے ٹکڑے سے آگاہی حاصل کر رہا تھا۔ اس حصے میں اس کی ملاقات انگریز سے ہوئی تھی۔ قافلے سے، مختلف قبائل سے اور نخلستان جس میں پچاس ہزار کھجور کے درخت اور قین سو کنویں تھے۔

”آج تمہیں کیا چاہیے؟“ صحرا نے اس سے پوچھا۔

”کیا تم نے مجھے دیکھنے میں کافی وقت نہیں گزارا؟“

”تمہارے بیچ میں کہیں ایسا شخص ہے جس سے مجھے محبت ہے؟“ لڑکا بولا۔

”اس لیے جب میں تمہاری ریت کو دیکھتا ہوں تو دراصل میں اس کا دیدار کر رہا ہوتا ہوں۔ میں اس

کے پاس واپس جانا چاہتا ہوں اور مجھے تمہاری مدد درکار ہے تاکہ میں اپنے آپ کو وہاں تکمیل رسوں“

”محبت کیا چیز ہوتی ہے؟“ صحرا نے پوچھا۔

”محبت تمہاری ریت کے اوپر شاہین کی پرواز ہے۔ کیونکہ اس کے لیے تم ایک بہ ابھرا میدان ہو جہاں

سے وہ اپنے شکار کے ساتھ واپس لوٹتا ہے۔ اسے تمہارے نیلوں اور پہاڑیوں کا علم ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے

کہ تم اس کے ساتھ بہت مہربان ہو۔“

”باز کی چونچ میں تو دراصل میرا ہی وجود ہوتا ہے“ صحرا نے جواب دیا۔ ”صدیوں تک میں نے اس

کے لیے شکار کا بندو بست کیا ہے۔ میں اپنے اندر موجود پانی کے غری قطرے سے اس کے شکار کو پالتا ہوں

اور پھر اس کی رہنمائی اس شکار تک کرتا ہوں اور جب میں اس بات میں فخر محسوس کر سکتا ہوں کہ اس کا شکار

میرے وجود پر زندہ ہے تو وہ ایک دم آسمان کی بلندیوں میں سے زقند لگاتا ہے اور جو میں نے تخلیق کیا تھا لے

کر غائب ہو جاتا ہے۔“

”آخر تم نے شکار کو پالا بھی تو اسی مقصد کے لیے تھا۔“ لڑکے نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”تاکہ باز اس پر پٹا سکے اور باز پھر انسان کی خوراک کا بندو بست کرتا ہے اور بدلے میں انسان

تمہاری پرورش کرتا ہے تاکہ شکار وہ بارہ پیدا ہو سکے اور اس کی طرح تمام دنیا رواں دواں ہے۔“

”تمہاری بات میری سمجھ سے بالاتر ہے۔“ صحرا نے جواب دیا۔

”آخر تم یہ بات تو سمجھ سکتے ہو کہ تمہارے بیچ میں ایک ایسی عورت موجود ہے جو میری منتظر ہے اور اس

کے لیے مجھے اپنے آپ کو ہوا میں تکمیل کرنا ہے۔“ صحرا آچھویر کے لیے خاموش رہا پھر بولا۔ ”میں اپنی ریت تو

تمہیں دے سکتا ہوں کہ وہ ہوا کی مدد کر کے چلے۔ لیکن میں اکیلا کچھ نہیں کر سکتا اس کے لیے تمہیں ہوا سے کہنا ہوگا۔“

ایک دم ہوا چلنے لگی۔ قبائلی لوگ کچھ فاصلے سے لڑکے کو بغور دیکھ رہے تھے وہ ایک ایسی زبان میں محو گفتگو تھے جو لڑکے کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

ہوا لڑکے کے پاس آئی اور اس کے چہرے کو چھوا۔ وہ اس کی صحرا کے ساتھ ہونے والی گفتگو سے واقف تھی۔ کیونکہ ہوا سب کچھ جانتی ہے۔ اس کی کوئی جائے ولادت نہیں ہے اور نہ ہی اسے موت کا کوئی ڈر ہے۔ وہ بلا خوف و خطر پوری دنیا میں گھومتی ہے۔

”میری مدد کرو۔“ لڑکے نے ہوا سے التجا کی۔ ”جس طرح ایک دن تم نے میرے محبوب کی آواز مجھ تک پہنچانے میں میری مدد کی تھی۔“

”تمہیں صحرا اور ہوا کی زبان کس نے سکھائی ہے؟“

”میرے دل نے!“ لڑکے نے جواب دیا۔

ہوا کے کئی نام ہیں زمین کے کسی گوشے میں اس کا نام باد نسیم ہے کیونکہ یہ اپنے ساتھ نمی لاتی ہے۔ کہیں دور کسی جگہ جہاں سے یہ لڑکا آیا تھا اس کا نام لیوانتر ہے۔ اس جگہ کے لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے ساتھ صحرا کی ریت اور مراکش کے قلعے آئے تھے۔ اسی طرح اس علاقے سے ویرثال میں رہنے والے لوگوں کا خیال ہوگا کہ شاید ہوا اندلس کی جانب سے آئی ہے۔ جبکہ ہو کی کوئی منزل ہی نہیں ہے۔ شاید اس لیے وہ صحرا سے بھی زیادہ طاقتور ہے۔ شاید ایک دن کوئی صحرا میں درخت اگانے میں کامیابی حاصل کر لے گا اور ریوڑ بھی پال لے لیکن ہوا کو کوئی قابو نہیں کر سکتا۔

”تم ہوا نہیں بن سکتے۔“ ہوا نے جواب دیا۔

”ہم دو بالکل مختلف وجود ہیں۔“

”یہ حقیقت نہیں ہے۔“ لڑکے نے جواب دیا۔

”میں نے کیمیا گری کا ٹکڑا اپنے سفر کے دوران سیکھا۔ میرے اندر ہوا، صحرا، سمندر، فلک، ستارے اور غرض سب کچھ موجود ہے۔ ہم ایک ہی ہاتھ کی تخلیق ہیں اور ہمارے اندر ایک ہی روح کا فرما ہے۔ میں تمہارے جیسا ہونا چاہتا ہوں، اور دنیا کے ہر گوشے میں پہنچنا چاہتا ہوں صحرا، ریوڑ، چاہتا ہوں جس نے میرے خزانے کو ڈھانپ رکھا ہے اور اس عورت کی۔“ لڑکے نے جانا چاہتا ہوں جس سے مجھے محبت ہے۔“

”میں نے ایک دن کیمیا گر کے ساتھ تمہاری گفتگو سنی تھی۔“ ہوا بولی۔

”وہ کہہ رہا تھا کہ ہر ایک چیز کی اپنی منزل ہے لیکن آدمی کی منزل ہوا میں تمہیں ہونا نہیں ہے۔“

”مجھے یہ ہنر صرف چند محوں کے لیے سکھاؤ“ لڑکے نے التجا کی۔

”تا کہ مجھے انسانوں اور ہوائی، محدود صدیعتوں کا اندازہ ہو سکے۔“

ہوائی تجسس میں اضافہ ہو چکا تھا۔ یہ ایسا واقعہ تھا جو آج تک کبھی نہیں ہو تھا۔ وہ بھی اس بات میں دلچسپی رکھتی تھی۔ مگر اسے نہیں معلوم تھا کہ انسان کو ہوا میں کیسے تحلیل کرے۔ حالانکہ اسے بہت سی چیزوں پر عبور حاصل تھا۔ اس نے صحرا تخلیق کیا اور جہازوں کو سمندر میں ڈبویا۔ جنگلات کو ویران کیا اور موسیقی میں گونجتے ہوئے شہروں سے اس کا زور ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ لامحدود ہے لیکن پھر بھی لڑکے کا تقاضا تھا کہ ہوا کو اور بھی کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔

”اسی کا نام محبت ہے۔“ لڑکا بولا۔ اس کا خیال تھا کہ ہوائی درخواست منظور رہے۔

”جب تم محبت کرتے ہو تو تم تخلیق کا ہر عمل انجام دے سکتے ہو۔ جب تم محبت کرتے ہو تو اس بات کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی کہ یہ معلوم کیا جائے کہ کیا ہو رہا ہے؟ کیونکہ سب کچھ تمہارا اندر ہی ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ انسان اپنے آپ کو ہوا میں بھی تحلیل کر سکتا ہے اگر ہوا اس کی مدد کرے تو۔“

ہوا ہمیشہ سے مغرور رہی تھی۔ لڑکے کی بات اسے ناگوار گزر رہی تھی۔ اس نے چاہا کہ وہ شدت سے چلے۔ صحرا کی ریت کو اڑاتی ہوئی۔ لیکن اسے بھی یہ اقرار کرنا پڑا کہ دنیا کے ہر گوشے سے گزرنے کی طاقت رکھنے کے باوجود وہ انسان کو ہوا میں تحلیل کرنے سے قاصر تھی کیونکہ وہ محبت سے لاعلم تھی۔

”دنیا کے سفر کے دوران میں نے لوگوں کو محبت کا ذکر کرتے سنا ہے اور انہیں سورج کی طرف گھورتے ہوئے دیکھا ہے۔“ ہوائی نے اپنی ناکامی پر تلخی سے کہا۔

”شاید بہتر ہوگا کہ تم سورج سے مدد مانگو۔“

”نھیک ہے تو پھر میری مدد کرو“ لڑکا بولا۔

”تمام فضا کو ریت کے طوفان سے اس طرح بھردو کہ سورج اس میں ڈوب جائے تاکہ میں آسمان کی

طرف دیکھ سکوں اور سورج سے بات کر سکوں اپنی چینائی گنوائے بغیر۔“

ہوائی نے اپنی تمام تر طاقت کے ساتھ چھنا شروع کر دیا۔ تمام فضا ریت سے بھر گئی اور سورج ایک سنہری

تھال کی مانند بن گیا۔ کیمپ میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا صحرا کے لوگ ہوا کی شدت سے واقف تھے وہ لوگ اس

بادِ سموم کے نام سے جانتے تھے۔ اس کی شدت سمندر کے طوفان سے بھی زیادہ تھی۔ چنانچہ نور تکلیف سے بلبلا

رہے تھے اور خیمے اور ہتھیار ریت سے بھر چکے تھے۔

”بہتر ہو گا کہ ہم یہ سب ختم کر دیں۔“ بندی پر کھڑے ایک مہانداز نے سردار سے کہا۔ انہیں لڑکا بمشکل نظر آ رہا تھا۔ ان کے نیلے ڈھانوں سے نظر آنے والی آنکھوں میں خوف تھا۔

”ہاں اسے روکیں۔“ ایک اور کمانڈر بولا۔

”میں خدا کی عظمت کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہوں۔“ سردار کے لہجے میں عقیدت تھی۔

”میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ایک انسان اس طرح اپنے آپ کو اسی طرح تبدیل کر سکتا ہے۔“

سردار نے دونوں کمانڈروں کے نام ذہن نشین کر لیے۔ وہ ان دونوں کو برخاست کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس کے خیال میں صحرائیوں کو کبھی خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔

”ہو انے مجھے بتایا کہ تم محبت کے بارے میں جانتے ہو۔“ لڑکا سورج سے مخاطب ہوا۔

”اگر تم محبت کے بارے میں جانتے ہو تو تمہیں کائنات کی روح سے بھی ضرور آگاہی ہوگی کیونکہ اس کی تخلیق بھی محبت سے ہوئی ہے۔“

”جہاں میں ہوں۔“ سردار نے جواب دیا۔

”میں کائنات کی روح کا تسانی سے نگاہ رکھتا ہوں۔ یہ میری روح سے مخاطب ہوتی ہے۔ ہم دونوں مل کر زمین کو زندگی دیتے ہیں اور بھینوں و سارے کی تلاش سکھاتے ہیں۔ زمین سے اتنی دوری پر میں نے محبت کرنا سیکھا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اگر میں تھوڑا سا بھی زمین کے قریب آیا تو زمین پر موجود ہر چیز فنا ہو جائے گی اور روح کائنات ختم ہو جائے گی۔ اس لیے ہم مسلسل اس بات پر غور کرتے ہیں کہ ہر شے کو دوام کیسے دیں۔ میں زمین کو حرارت دیتا ہوں اس لیے زمین کی بقا کے ساتھ میری اپنی تھابستہ ہے۔“

”تو پھر تمہیں محبت کے بارے میں معلوم ہے۔“ لڑکے نے سوال کیا۔

”اور مجھے کائنات کی روح کا بھی پتہ ہے کیونکہ ہم دونوں کائنات کے نہ ختم ہونے والے سفر کے دوران ہمیشہ محو گفتگو رہے ہیں۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اب تک صرف نباتات اور جمادات ہی یہ بات جانتے ہیں کہ تمام چیزوں کی اصل ایک ہے۔ نہ تو اوبے کوتا بننے کی ضرورت ہے اور نہ تانبے کو سونا بننے کی۔ ہر ایک کا اپنا ایک کام ہے۔ وہ سارے سے بالکل منفرد اور تیرہ خالق جس نے سب تخلیق کیا ہے کائنات کی تخلیق کے پانچویں روز تمام مرتبہ تو چھو بھی وجود میں نہ آتا۔“

”اور پھر تخلیق کا چھٹا روز بھی تو تھا۔“ سردار نے اپنی بات جاری رکھی۔

”تم بہت دانا ہو کیونکہ تم اس دوری سے ہر چیز کا مشاہدہ کرتے ہو جہاں سے کوئی شے پوشیدہ نہیں

ہے۔“ لڑکا بولا۔

”لیکن تم محبت سے بالکل ناواقف ہو۔ اگر تخلیق کا چھناؤن نہ ہوتا تو انسان کا وجود بھی نہ ہوتا۔ تانا ہمیشہ تانا ہی رہتا اور سیسہ ہمیشہ سیسہ۔ یہ سچ ہے کہ ہر چیز کی اپنی منزل ہے۔ اور ایک دن ہر چیز اپنی منزل پر پہنچ جائے گی۔ اس لیے ہر شے اپنے آپ کو کسی بہتر چیز میں تحلیل کرنے میں مصروف ہے تاکہ ایک روز اپنی منزل تک پہنچ جائے۔ جس روز ہر شے کائنات کی روح میں واپس ضم ہو جائے گی۔“

سورج نے اس کے بارے میں غور کیا اور زیادہ شدت سے چمکنے کا ارادہ کیا۔ ہوا جواب تک تمام گفتگو غور سے سن رہی تھی زیادہ شدت سے جلنے لگی تاکہ سورج ٹڑکے کی بیانی کو متاثر نہ کر سکے۔

”اسی لیے کیسا گری معرض وجود میں آئی۔“ ٹڑکے نے اپنی بات جاری رکھی۔

”تاکہ سب اپنے خزانے کو کھوج سکیں۔ اور اپنی گزشتہ زندگی سے بہتر بن سکیں۔ سیسہ اس وقت تک اپنا کردار ادا کرتا رہے گا جب تک دنیا کو سیسے کی ضرورت رہے گی۔ اور جب اس کی ضرورت نہیں رہے گی تو پھر سیسہ سونے میں بدل جائے گا۔ اور یہی کیسا گری کرتے ہیں۔ وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ جب ہم جو آج ہیں اس سے بہتر بننے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمارے ارد گرد موجود ہر شے بہتر بن جاتی ہے۔“

”یہ تو صحیح ہے لیکن تم نے یہ کیوں کہا کہ میں محبت سے ناواقف ہوں؟“ سورج نے ٹڑکے سے پوچھا۔

”کیونکہ محبت کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ صحرائی طرح سائن رہیں اور نہ ہی یہ محبت ہے کہ ہوا کی طرح آوارہ گردی کی جائے۔ اور نہ یہ کہ اوپر سے صرف دنیا کا نظارہ کرتے رہیں۔ تمہاری طرح۔ محبت تو وہ طاقت ہے جو مسلسل ارتقا کے عمل سے نر رہی ہے۔ اور روح کائنات کو تقویت دیتی ہے۔ جب مجھے پہلی بار روح کائنات تک رسائی ہوئی تو میرا خیال تھا کہ یہ ہر لحاظ سے مکمل ہے لیکن پھر مجھے معلوم ہوا کہ یہ بھی دوسری مخلوق کی طرح ہے۔ اس کی بھی اپنی تمناؤں اور اپنے دکھ ہیں۔ یہ ہم ہیں۔ ہم انسان جو روح کائنات کی پرورش کرتے ہیں۔ اور یہ دنیا جس میں ہم رہتے ہیں یہ یا تو بہتر ہوگی یا پھر بربادی سے دو چار ہوگی۔ اس کا انحصار اس پر ہے کہ ہم خود بہتہ بہتہ ہیں یا زیادہ خراب۔ اور ہمیں سے محبت کا کردار شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ جب ہم محبت کرتے ہیں تو ہم بہتر سے بہترین ہونا چاہتے ہیں۔“

”تو پھر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“ سورج نے سوال کیا۔

”مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ تاکہ میں ہوا میں تحلیل ہو سکوں۔“ ٹڑکے نے جواب دیا۔

”کائنات میں مجھے سب سے دانا سمجھا جاتا ہے لیکن میں بھی اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ تمہیں ہوا

میں تحلیل کر سکوں۔“ سورج نے جواب دیا۔

”تب پھر کون میری مدد کر سکتا ہے؟“ لڑکے نے پوچھا۔

”تم اس قلم سے سوال کرو جس نے یہ سب تحریر کیا ہے۔“ سورج نے جواب دیا۔

ہوا خوشی سے اور بھی تیز چلنے لگی۔ خیموں کے کھوٹے اکھڑنے لگے اور جانوروں کی رسیاں ٹوٹنے لگیں۔ لوگ ایک دوسرے کا سہارا لینے لگے تاکہ ہوا میں اڑنے سے محفوظ رہیں۔ لڑکا قلم کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے محسوس کیا جیسے تمام کائنات خاموش ہو گئی ہو تب اس نے قلم کو مخاطب کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

اس کے دل میں محبت کا ایک طوفان موجزن تھا۔ اس نے دعا کرنا شروع کر دی۔ یہ وہ دعا تھی جو اس سے قبل اس نے کبھی نہیں مانگی تھی۔ کیونکہ یہ وہ دعا تھی جسے الفاظ کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ نہ تو بھیڑوں کے ریوڑ پر تشکر کا اظہار تھا اور نہ ہی ریشل کی دکان میں آمدنی بڑھانے کی خواہش کا اظہار۔ اور نہ ہی یہ التجا کہ اس کی محبوبہ اس کی منتظر رہے۔ اس خاموشی میں لڑکا سمجھ سکتا تھا کہ صحرا سورج اور ہوا سب ہی اس قلم کی تحریر کو پہچانتے تھے اور اس پر دل و جان سے عمل پیرا بھی تھے۔

اسے معلوم تھا کہ نشیاں پوری زمیں اور پوری کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں اور بظہران کے وجود کی کوئی منطق سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ دیکھ سکتا تھا کہ نہ صرف انسان بلکہ صحرا، ہوا اور سورج تک اپنی تخلیق کے مقصد سے لاعلم تھے لیکن خالق کے نزدیک ہر چیز کا ایک مقصد تھا۔ صرف اس کو اس چیز پر دسترس حاصل تھی کہ اگر وہ چاہے تو سمندر کو صحرا میں بدل دے یا پھر آبی کو ہوا میں تبدیل کر دے۔

کیونکہ یہ صرف اس کو ہی معلوم ہے کہ کس چیز کو کس وقت کس طرح سے ہونا چاہیے تو وہ پورے نظام کے لیے خرابی نہیں بلکہ بہتری کا سبب ہوگی۔ اور اسے ہی معلوم ہے کہ ایک عظیم مقصد کے تحت تخلیق کے چھ روز صرف ایک نقطے میں مرکوز ہو کر کارِ عظیم بن گئے تھے۔

لڑکے نے روح کائنات پر غور کیا تو اسے محسوس ہوا کہ یہ خالق کی روح کا ایک پر تو تھا۔ اور وہ خود بھی اس کا پر تو تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ بھی ایک لڑکا بھی محیر العقول کا رنامے سرانجام دینے پر قدرت رکھتا تھا۔ بادِ سموم اس سے قبل کبھی اتنی شدت سے نہیں چلی تھی۔ کئی نسلوں تک عرب میں ایک لڑکے کے چرچے گو بجتے رہے جس نے اپنے آپ کو ہوا میں تحلیل کر لیا تھا اور ایک فوجی کیمپ کو تباہ کر دیا تھا۔

جب بادِ سموم تھم چکی تو ہر ایک نے لڑکے کو اس جگہ تلاش کیا جہاں وہ تھوڑی دیر قبل کھڑا تھا لیکن اب وہ موجود نہیں تھا وہ کیمپ کے دوسری جانب ریت میں دبے ہوئے خیمے کے قریب کھڑا تھا۔

تمام لوگوں پر ایک انجانا خوف طاری تھا۔

مگر دو آدمی مسکرا رہے تھے۔

کیسیا گر اس لیے کہ اسے ایک قابل شاگرد مل گیا تھا۔

سردار اس لیے کہ اس شہر نے خدائی عظمت و پہچان لیا تھا۔

اگلے روز قبیلے والوں نے یہی سراور نے کو لوٹا لیا۔ اس کے ساتھ ایک محافظ دستہ روانہ کیا گیا تا

کہ وہ اس کی منزل تک انہیں باحفاظت پہنچا دے۔



پورا دن وہ لوگ محو سفر رہے۔ وہ پہرے بعد وہ ایک خانقاہ کے پاس پہنچے۔ کیسیا گر نے گھوڑے سے

اترتے ہوئے محافظ دستے کو واپس جانے کی اجازت دے دی۔

”اس سے آگے تم اکیلے جاؤ گے۔“ کیسیا گر نے لڑکے کو مخاطب کیا۔

”تم اہرام سے صرف تین گھنٹے کی مسافت پر ہو۔“

”بہت شکریہ“ لڑکا بولا۔

”آپ نے مجھے مالکیر زبان سکھائی۔“

”میں نے صرف اس چیز کو کر دیا ہے جو تمہارے اندر پہلے سے موجود تھی۔“ کیسیا گر نے خانقاہ کے

دروازے پر دستک دیتے ہوئے جواب دیا۔ کالے لباس میں جوس ایک راہب باہر آیا۔ دونوں کچھ دیر تک

غیر مانوس زبان میں محو گفتگو رہے اور پھر کیسیا گر نے لڑکے کو اندر آنے کو کہا۔

”میں نے تھوڑی دیر کے لیے اس کا باورچی خانہ استعمال کرنے کی اجازت مانگی ہے۔“ کیسیا گر مسکرایا۔

وہ دونوں باورچی خانے میں داخل ہوئے۔ کیسیا گر نے چولہا روشن کیا جب کہ راہب سیسہ لے کر

آیا۔ کیسیا گر نے یہ سیسہ چولہے پر لوہے کے برتن میں رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد سیسہ پگھلنے لگا۔ کیسیا گر نے اپنے تھیلے سے پیلا انڈا نکالا اور اس سے بال برابر چھلکا

اتارا۔ اسے موم میں لپیٹ کر برتن میں ڈال دیا۔

مرکب لال رنگ اختیار کر گیا۔ خون سے مشابہ۔ کیسیا گر نے برتن چولہے سے اتارا اور ٹھنڈا ہونے

کے لیے ایک جانب رکھ دیا۔ اس دوران وہ راہب کے ساتھ قبائلی جنگ پر غصہ کرتا رہا۔
 ”میرا خیال ہے کہ یہ بڑائی طویل عرصے تک جاری رہے گی“ کیسیا نے کہا۔ ”کیسیا نے پریشان تھا۔ تمام
 قافلے غزوہ میں رکے ہوئے تھے اور جنگ ختم ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔

”ہونا وہی ہے جو خدا کی مشا ہے۔“ راہب نے جواب دیا۔
 ”بالکل!“ کیسیا نے کہا۔

جب مرکب ٹھنڈا ہو چکا تو راہب اور لڑکے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کیسیا نے برتن کی شکل
 اختیار کر لی تھی مگر اب وہ کیسیا کی شکل میں بدلتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔
 ”کیسیا میں بھی کسی روز ایسا کر سکوں گا“ لڑکے نے اشتیاق سے کیسیا کو دیکھا۔
 ”یہ میری منزل تھی تمہاری نہیں ہے۔“ کیسیا نے جواب دیا۔
 ”میں صرف تمہیں یہ دکھانا چاہتا تھا کہ ایسا ممکن ہے۔“
 کیسیا نے سونے کے چار ٹکڑے کیے۔

”یہ آپ کے لیے ہے۔“ اس نے ایک ٹکڑا راہب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”مسافروں کے لیے
 آپ کی میزبانی کا صلہ۔“

لیکن یہ تو میرے لیے بہت زیادہ ہے۔“ راہب نے جواب دیا۔
 ”دوبارہ ایسا کبھی مت کہیے گا۔ زندگی سن رہی ہے اور آئندہ کہیں آپ کو کم حصہ نہ مل جائے۔“
 ”یہ تمہارا حصہ ہے۔“ کیسیا نے ایک ٹکڑا لڑکے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
 لڑکے نے بھی یہ کہنے کا راہ دیا کہ یہ سب کیسیا کے لیے بہت زیادہ ہے لیکن وہ کیسیا کی بات سن چکا تھا اس
 لیے خاموش رہا۔

”اور یہ میرے لیے ہے۔ سفر کے لیے زادراہ۔“
 اس نے سونے کا چوتھا ٹکڑا راہب کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔
 ”یہ لڑکے کا حصہ ہے اگر اسے کبھی ضرورت پڑے تو“
 ”لیکن میں تو اپنے خزانے کی تلاش میں جا رہا ہوں۔“ لڑکا بولا۔ ”اور میں اس کے بہت قریب پہنچ چکا ہوں“
 ”مجھے یقین ہے کہ تم اس تک ضرور پہنچ جاؤ گے۔“ کیسیا نے جواب دیا۔

”تو پھر یہ سونا کیوں؟“

”کیونکہ تم دو دفعہ اپنا سرمایہ کھو چکے ہو۔ ایک دفعہ ایک چور کے ہاتھوں اور دوسری دفعہ سردار کے ہاتھوں۔ میں ایک ضعیف العقیدہ عرب ہوں اور مجھے اپنی روایات پر اعتماد ہے۔ ایک روایت ہے کہ ہر وہ چیز جو ایک دفعہ واقع ہوتی ہے وہ دوبارہ نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر کوئی چیز دوبارہ واقع ہوتی ہے تو پھر وہ یقیناً تیسری بار بھی ضرور ہوگی“ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔

”میں تمہیں خوابوں کی ایک کہانی سنانا چاہتا ہوں“ کیمیا گر بولا۔

لڑکا اپنا گھوڑا کیمیا گر کے قریب لے آیا۔

”قدیم روم میں شہنشاہ تبرئیس کے دور میں ایک نیک انسان تھا جس کے دو بیٹے تھے۔ ان میں سے ایک فوت میں ملازم تھا۔ فوجی کو ملک کے دور دراز علاقے میں تعینات کیا گیا تھا۔ جبکہ دوسرا بیٹا شاعر تھا جو اپنی خوب صورت شاعری سے پورے روم کو منور کرتا تھا۔

ایک رات اس آدمی نے ایک خواب دیکھا۔ ایک فرشتہ اس کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ اس کے ایک بیٹے کے چرچے رہتی دنیا تک قائم رہیں گے۔ وہ آدمی جب خواب سے جاگا تو وہ بہت خوش تھا کہ قدرت اس پر مہربان ہے اور اسے اس بات سے آگاہ کیا تھا جس پر کسی بھی باپ کو فخر ہوتا ہے۔

کچھ عرصہ بعد وہ آدمی ایک بچے کو گاڑی کے نیچے آنے سے بچاتے ہوئے فوت ہو گیا۔ کیونکہ وہ نیک آدمی تھا اس لیے وہ سیدھا جنت میں گیا۔ وہاں اس کی ملاقات اس فرشتے سے ہوئی جس سے وہ خواب میں ملا تھا۔

”تم نے کیونکہ زندگی خدا کے بتائے ہوئے طریقوں پر گزاری ہے اس لیے میں تمہاری ایک خواہش پوری کر سکتا ہوں۔“ فرشتے نے کہا۔

”میری زندگی بہت پرسکون تھی۔ جب تم میرے خواب میں آئے تو مجھے احساس ہوا کہ میری کوششوں کا اجر مجھے مل گیا تھا کیونکہ میرے بیٹے کی شاعری رہتی دنیا تک پڑھی جائے گی اور یہ کسی بھی باپ کے لیے فخر کا باعث ہے کہ اس کی اولاد اس کے لیے باعث عزت بنے۔ میں آنے والے وقت میں اس کا چرچا دیکھنا چاہتا ہوں۔“

فرشتے نے اس آدمی کے کندھے کو چھوا، اور دونوں آنے والے وقت میں پہنچ گئے۔ وہ ایسی جگہ پر موجود تھے جہاں لوگوں کا بے تباہاں جھوم تھا۔ جو کسی عجیب زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ فرط جذبات سے آدمی کے آنسو نکل آئے۔

”مجھے معلوم تھا کہ میرے بیٹے کی شاعری ازال ہے۔ کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ میرے بیٹے کی کوئی نظم اس وقت پڑھی جا رہی ہے؟“

فرشتہ آدمی کے قریب آیا اور نرمی سے اسے ساتھ والی کرسی پر بٹھا دیا اور بولا۔

”تمہارے بیٹے کی شاعری روم میں بہت مقبول تھی لیکن تیرئیں کے دور کے ساتھ ہی اس کی شاعری بھی معدوم ہو گئی۔ اس وقت آپ جو دیکھ رہے ہیں وہ آپ کے بیٹے کی شاعری نہیں بلکہ آپ کے اس بیٹے کا ذکر ہے جو فوج میں تھا۔“

آدمی نے حیرت سے فرشتے کی جانب دیکھا۔

”تمہارا بیٹا دور دراز کے علاقے میں تعینات تھا۔ وہ ایک دن اس علاقے کا سربراہ بنا دیا گیا۔ وہ بہت عابد اور نیک تھا۔ ایک دن اس کا ایک ملازم بیمار پڑ گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ مر جائے گا۔ تمہارے بیٹے نے ایک حکیم کا ذکر سن رکھا تھا۔ جو ہر بیماری کا علاج کرنے کی اہمیت رکھتا تھا۔ تمہارا بیٹا نئی دُن کے سفر کے بعد حکیم کے پاس پہنچا۔ سفر کے دوران اسے معلوم ہوا کہ وہ حکیم خدا کا بیٹا ہے۔ اس دن مذاقات ان لوگوں سے ہوئی جو پہلے ہی حکیم کے ہاتھوں شفا پا چکے تھے۔ وہ رومن ہونے کے باوجود اس پر ایمان لے آیا۔ جب وہ حکیم کے پاس پہنچا تو اسے آنے کی غرض سے مطلع کیا۔ اس کی بات سن کر حکیم اس کے ساتھ جانے پر تیار ہو گیا۔ تمہارا بیٹا کیونکہ اہل ایمان تھا اس لیے اسے احساس تھا کہ وہ خدا کے سامنے موجود ہے۔“

”میں اس عنایت کے قابل نہیں کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں۔ آپ صرف ایک پھونک ماریں تو میرا ملازم صحت یاب ہو جائے گا۔“ اس نے کہا۔

اور یہی وہ الفاظ ہیں اس وقت یہاں دہرائے جا رہے ہیں۔

”ہر شخص کا اس دنیا میں مرکزی کردار ہے چاہے وہ کچھ بھی کرتا ہو۔“ کیمیا گری نے لڑکے کو بتایا۔

لڑکا مسکرایا۔ اسے خیال ہی نہیں تھا کہ زندگی کا سوال کسی چیز سے ہے یا اتنا، ہم بھی ہو سکتا ہے۔

”خدا حافظ!“ کیمیا گری بولا۔

”خدا حافظ!“ لڑکے نے جواب دیا۔



لڑکے نے کیسیا گر سے رخصت ہونے بعد اپنا سفر جاری رکھا۔ اس کی توجہ مسلسل اپنے دل کی آواز پر تھی۔ اس کا دل اسے بتانے والا تھا کہ اس کا خزانہ کہاں ہے۔

”جہاں تمہارا دل ہوگا وہیں تمہارا خزانہ ہوگا۔“ کیسیا کرتے رہا تھا۔

لیکن اس کا دل اور باتوں میں مصروف تھا۔ وہ اسے فخر کے ساتھ اس چرواہے کی کہانی سن رہا تھا جو اپنے ریوڑ کو چھوڑ کر اس خزانے کی تلاش میں نکل گیا تھا جو اس نے دو دفعہ خواب میں دیکھا تھا۔ اس نے منزل کا ذکر کیا اور پھر ان لوگوں کے بارے میں بتایا جو نئی منزلوں کی تلاش میں مندر پار گئے تھے۔ وہ مہم جوئی کا ذکر کر رہا تھا، سفر کا اور سببوں کا۔

لڑکے نے آہستہ آہستہ نیلے پر چڑھنا شروع کیا۔

چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ آج اسے تختستان سے چلے ہوئے پورا ایک ماہ ہو گیا تھا۔ چاند کی روشنی جب ریت کے ٹیلوں پر پڑتی تھی تو طلسم خیز سمندر کا تاثر ملتا تھا۔

جیسے ہی وہ نیلے کے اوپر پہنچا اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

چاند کی روشنی میں نہ بے حساسی اور نہ اس کی نظروں نے سامنے تھے۔

لڑکا اپنے قدموں پر گر گیا اور بے اختیار رونے لگا۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا جس نے اسے اپنے خواب پر نہ صرف یقین عطا کیا بلکہ اس خواب کی تعبیر حاصل کرنے میں اس کی راہنمائی بھی کی۔ پھر اس کی ملاقات ایک بادشاہ سے ہوئی۔ پھر وہ تاجر سے ملا۔ انگریز سے اور کیسیا سے۔ اور سب سے بڑھ کر فاطمہ سے۔ جس نے اسے بتایا کہ محبت بھی انسان کو اپنی منزل کی تلاش سے نہیں روکتی۔

اگر وہ چاہتا تو وہ اپس تختستان میں جا سکتا تھا، فاطمہ سے پاس اور اپنی باقی زندگی یک چرواہے کی طرح گزار دیتا۔ آخر کیسیا کر بھی اپنی منزل پا بیٹھے۔ وہ جو تختستان میں رہ رہا تھا۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ وہ اپنے کمالات دنیا کو دکھائے۔

اس کو احساس تھا کہ اپنی منزل کی تلاش کے دوران اس نے وہ سب کچھ سیکھا جس کو سیکھنے کی اسے تمنا تھی۔ اور ہر اس تجربے سے گزرا تھا جس کا کہ وہ خواب دیکھ سکتا تھا۔

اور اب وہ اپنے خزانے کے قریب تھا۔ اسے خیال آیا کہ کوئی بھی کام اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس کے مقصد حاصل نہ ہو جائے۔ اس نے اپنے ارد گرد ریت پر نظر ڈالی تاکہ دیکھ سکے کہ اس کے آنسو کہاں گرے تھے۔ اس کی نظر اس کے آنسو پر پڑی۔ اس معلوم تھا کہ مصر میں آنسو خدا کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ ”ایک اور نیک شگون“ اس نے سوچا۔

اس نے اس جگہ پر ریت کھودنا شروع کر دی جہاں اس کے ”آنسو“ گرے تھے۔ ریت کھودتے ہوئے اسے خیال آیا کہ کرسٹل فروش نے کہا تھا کہ اب اس صوف پتھروں کا ایسا پتھر ہے جسے کوئی بھی اپنے گھٹن میں بنا سکتا ہے۔

”میں تو اس طرح کے اب اس اپنے گھٹن میں نہیں بنا سکتا تھا چاہے میں پوری زندگی پتھر جمع کرتا رہتا۔“ اس نے اپنے آپ سے کہا۔

تمام رات وہ خدا کی دعا کرتا رہا۔ یمن سے پتھر جی نہیں ملے۔ یمن میں نے خدا کی دعا جاری رکھی۔ اس کے ہاتھ شل ہو چکے تھے اور اس کی انگلیاں جھلنی تھیں۔ یمن میں نہ تھا اس کے اس کی آواز پر تھی جو اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ اس جگہ پر خدا کی دعا جاری رکھے جہاں اس کے ”آنسو“ گرے تھے۔

جیسے ہی اس نے کڑھے میں سے پتھر کا نا شروع کیا اسے قدموں کی آواز سنائی دی۔ پھر اس نے کئی بیولے دیکھے۔ ان کی پیوندی ندن طرف سے نہایت دور تھے۔ یہ وہاں کی مکھیں دیکھنے سے قاصر تھا۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“ ایک بیولا بولا۔

خوف کے مارے اس کے منہ سے کوئی جواب نہیں نکلا۔ اس نے وہ جگہ تلاش کرنے تھی جہاں اس کا خزانہ دفن تھا اور اب اسے خوف تھا کہ کچھ ہونہ جائے۔

”ہم لڑائی کے علاقے سے ہجرت کر کے آئے ہیں اور ہمیں رقم کی ضرورت ہے“ دوسرا بیولا بولا۔

”تم یہاں کیا چھپا رہے ہو؟“

”میں کچھ نہیں چھپا رہا۔“ لڑکے نے جواب دیا۔

ایک بیولے نے اسے کالہ سے پکڑ کر کڑھے سے نکالا۔ اور اس کی تلاشی لینے لگا۔ دوسرا بیولا اس کے بیگ کی تلاشی لے رہا تھا اس کے ہاتھ میں سانسے کا ٹکڑا آگیا۔

”یہ سونا ہے۔“ وہ بولا۔

چاند اس آدمی کے چہرے کو منور کر رہا تھا جس نے لڑکے کو پکڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں موت تھی۔
”شاید اس نے اور بھی سونا ریت میں دفن کر رکھا ہے۔“

انہوں نے لڑکے کو زمین کھودنے کا حکم دیا۔ لیکن انہیں کچھ نہیں ملا۔

جیسے ہی سورج طلوع ہوا ایک آدمی نے لڑکے پر تشدد کرنا شروع کر دیا۔ اس کے زخموں سے خون نکل رہا تھا۔ اور کپڑے پھٹ چکے تھے۔ اب اسے موت نزدیک نظر آرہی تھی۔

”اس دولت کا کیا فائدہ جو تمہیں موت سے نہ بچا سکے۔“ اس کے کانوں میں کیمیا گر کے لفظ گونجے۔
آخر کار اس نے آدمی کو بتایا کہ وہ خزانے کی تلاش میں کھدائی کر رہا تھا۔ اگرچہ اس کے ہونٹ پھٹ چکے تھے لیکن اس نے تمام کہانی حمد آوروں کو سنائی کہ وہ اس طرح سے ابراہم تک پہنچا تھا۔

ایک عرب نے جو ان کا سراغ دیکھ لیا تھا اس آدمی کو علم دیا جس نے لڑکے کو پکڑ رکھا تھا کہ سے
چھوڑ دے۔ لڑکا بے ہوشی کے عالم میں ریت پر گر گیا۔

”ہم جا رہے ہیں تم مر نہیں سکتے تم زندہ رہو گے تاکہ یہ جان سکو کہ آدمی کو اتنا حق نہیں ہونا چاہیے کہ
خواب کی تعبیر میں پاگلوں کی طرح مارا مارا پھرے۔“

”دوسرے قبل ٹھیک اسی جگہ میں نے کئی بار خواب دیکھے تھے۔ مجھے نظر آیا کہ مجھے پسین کی طرف سفر کرنا
چاہیے جہاں ایک متردک چرچ میں ایک چرواہا اور اس کا ریوڑیر قیام ہیں۔ اس چرچ میں انجیر ایک بہت
بڑا کا درخت ہے۔ مجھے کسی کی آواز سنائی دی کہ اگر میں اس انجیر کے درخت کی جڑوں میں کھدائی کروں تو
مجھے ایک خزانہ ملے گا۔ لیکن میں اتنا حق نہیں ہوں کہ صحرا کو صاف اس لیے پار کروں کہ مجھے ایک خواب نظر
آیا تھا۔“

اس کے ساتھ ہی حملہ آور غائب ہو گئے۔

لڑکا لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور ایک بار پھر ابراہم پر نظر دوڑائی۔ ایسے لگتا تھا
جیسے وہ اس پر ہنس رہے ہوں۔ وہ بھی جواباً ہنسنے لگا اس کا دل خوشی سے اچھل رہا تھا۔
کیونکہ اب اسے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کا خزانہ کہاں ہے۔



لڑکا شام پڑنے سے قبل ہی متروک چرچ کے پاس پہنچ گیا۔ انجیر کا درخت ابھی تک اپنی جگہ پر قائم تھا اور چرچ کی ٹوٹی ہوئی چھت سے سترے نظر آرہے تھے۔ اسے وہ وقت یاد آیا جب وہ اس چرچ میں اپنی بھیڑوں کے ساتھ آیا تھا۔ اس کی وہ رات بہت پر سکون تھی سوائے اس خواب کے۔

اب دوبارہ وہ اسی جگہ موجود تھا مگر اب ن بار بھیڑوں کی بجائے نیپے کے ساتھ۔

وہ کافی دیر تک بیٹھا آسمان کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنے تھیلے سے پانی کی بوتل نکالی اور چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرنے لگا۔ اس نے اس رات کو یاد کیا جب وہ صحرا میں کیمپا کر کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ پھر اسے وہ تمام راستے یاد آئے جن سے وہ نرا تھا اور وہ عجیب طریقہ جس کے ذریعے خدا نے اسے اس خزانے تک پہنچایا تھا۔

اُس وہ بار بار آنے والے خواب پر یقین نہ کرتا تو اس کی ملاقات خانہ بدوش عورت سے نہ ہوتی، نہ ہی بوڑھے بادشاہ سے۔ اور یہ فہرست بہت طویل تھی۔

”یہ راستہ تو نشانوں سے پر تھا اور کوئی مچہ ہی نہیں تھی کہ میں غلطی کرتا۔“ سوچتے سوچتے اسے مینڈ آگنی جب وہ جاگا تو سورج کافی نکل چکا تھا۔ اس نے کھدائی شروع کر دی۔

”تم نے حملہ آور عرب کو بھی بتایا تھا“ لڑکا سورج سے مخاطب تھا۔

”تمہیں تمام ماجرا معلوم تھا۔ تم نے سونے کا ایک ٹکڑا خاندان میں بھی چھوڑا تھا تاکہ میں واپسی کا سفر مکمل کر

سکوں۔ راہب میرے اوپر فحش رہا تھا جب اس نے مجھے واپس آتے ہوئے دیکھا۔ کیا تم مجھے اس تمام مشقت سے بچا نہیں سکتے تھے؟“

”نہیں“ اس نے ہوا کی آواز سنی۔

”اگر میں ایسا کرتا تو تم ابراما دیکھنے سے محروم رہتے۔ وہ بہت خوبصورت ہیں نا“

لڑکا مسکرانے لگا۔ اس نے کھدائی جاری رکھی۔

آدھے گھنٹے بعد اس کا بیچلے کسی سخت چیز سے ٹکرایا۔ ایک گھنٹے بعد اس کے سامنے ہسپانوی سونے کے

سکوں سے بھرا ایک صندوق پڑا تھا۔ اس میں قیمتی پتھر اور پتھر کے مجسمے پڑے تھے جن میں میرے جڑے ہوئے تھے۔



یہ ایک جنگ کا ماں غنیمت تھا جسے لوگ کافی عرصے سے بھلا چکے تھے۔

لڑکے نے یوریم اور تھومیم نکالے۔ اس نے ان پتھروں کو صرف ایک دفعہ مارکیٹ میں استعمال کیا تھا۔ اس کے بعد تو اس کی جدوجہد کا تمام راستہ نشانیوں سے بھرا ہوا تھا۔

اس نے دونوں پتھر صندوق میں رکھ دیے۔ یہ بھی اس کے خزانے کا حصہ تھے کیونکہ یہ بوڑھے بادشاہ کی یادگار تھے جسے وہ دوبارہ شاید کبھی نہیں مل سکے گا۔

یہ درست ہے کہ زندگی ہمیشہ ان پر مہربان ہوتی ہے جو اپنی منزل تلاش میں سرگرداں ہوتے ہیں۔ اسے یاد آیا کہ اس نے طرفہ جانا تھا تا کہ خانہ بدوش بوڑھی عورت کو خزانے کا دسواں حصہ دے سکے۔

”خانہ بدوش واقعی تیز ہوتے ہیں۔“ اس نے سوچا۔

”شاید اس لیے کہ وہ پوری دنیا گھومتے ہیں۔“

ہوا دوبارہ چلن شروع ہو گئی۔ یہ لیوانتر تھی جو افریقہ کے صحراؤں سے آئی تھی۔ اس کے ساتھ صحرا کی بو نہیں تھی اور نہ ہی عرب فاتحین کی یلغار تھی بلکہ اس میں ایک خوشبو کی مہک تھی۔

اس مہک سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ لڑکا مسکرا دیا۔

”میں آ رہا ہوں فاطمہ!“



آپ نے اس کتاب سے کتنا استفادہ کیا ہے؟

کیا آپ نے اس کتاب سے کوئی

مثبت سبق سیکھا جس سے آپ اپنی عملی زندگی میں استفادہ کر سکیں؟

اس سوال تائے کی فوٹو کاپی کروا کر (اس کو کتاب سے الگ مت کریں تاکہ دوسرے قارئین بھی اس سے مستفید ہو سکیں) تھوڑا سا وقت نکال کر اس سوال تائے کو مکمل کریں تاکہ آپ جان سکیں کہ آپ اس کتاب سے کس حد تک مستفید ہوئے۔

☆ آپ کے خیال میں پاؤ لو اس کتاب کے ذریعے کوئی پیغام دینا چاہتا ہے یا یہ محض ایک کہانی ہے؟

□ یہ محض ایک کہانی ہے جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔

□ پاؤ لو کا نقطہ نظر اہمیت کا حامل ہے۔

□ شاید میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔

☆ کیا آپ پاؤ لو کے نقطہ نظر سے اتفاق کرتے ہیں کہ انسان اور جانور کے درمیان فرق مقصد کا تعین اور

اس کے حصول کی لگن ہے؟

□ ہاں □ نہیں □ شاید

☆ مقصد کے حصول کی لگن کامیابی کی بنیادی شرط ہے؟

□ ہاں □ صرف لگن ہی کامیابی کے لیے کافی نہیں ہے □ شاید

☆ مقصد کے حصول کی لگن انسان کو اس کے حصول کے لیے درکار قابلیت حاصل کرنے کی راہ دکھاتی ہے؟

□ ہاں لگن انسان کو مقصد کے حصول کی راہ اور اس کی راہ میں حائل رکاوٹوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت

دیتی ہے۔

□ نہیں ایسے لوگ خوابوں کی دنیا میں رہنے والے ہوتے ہیں

☆ اکثر لوگ زندگی میں کوئی مقصد تو رکھتے ہیں مگر وہ اس کے حصول میں کبھی کامیاب نہیں ہو پاتے آپ کے خیال میں اس کی کیا وجہ ہے؟

□ ہمارے معاشرے میں مواقع کم ہیں۔

□ ان میں مقصد کے حصول کی لگن نہیں ہوتی۔

□ شاید ان کی قسمت میں ایسا نہیں لکھا تھا۔

☆ مقصد اور اور خیالی پلاؤ میں کیا فرق ہے؟

□ مقصد انسان کو اس کے حصول کے لیے تڑپ پیدا کرتا ہے جبکہ خیالی پلاؤ پکانے والے خوابوں کی دنیا

میں زندہ رہتا ہے اور اس کے حصول کے لیے محنت نہیں کرتا۔

□ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

☆ مقصد کے حصول میں محنت اور قسمت کا کتنا عمل دخل ہے؟

□ قسمت اس کا ساتھ دیتی ہے جو محنت کرتا ہے۔

□ انسان کو صرف وہی ملتا ہے جو اس کے مقدر میں لکھا ہے۔

☆ اکثر اوقات انسان کوشش کے باوجود اپنا مقصد حاصل نہیں کر پاتا آپ کے خیال میں اس کی کیا وجہ ہے؟

□ انسان اس کے حصول کے لیے درجہ محنت کرنے میں ناکام رہتا ہے۔

□ اس کی قسمت میں کامیابی نہیں ہوئی۔

☆ قسمت بھی ان کا ساتھ دیتی ہے جو باعزم ہیں اور محنت سے کام لیتے ہیں۔

□ یقیناً □ نہیں جو انسان کے مقدر میں لکھا ہو، مل کر رہتا ہے۔

☆ کیا انسان اپنی پیش بندی سے اپنے مستقبل میں آنے والے واقعات کو تبدیل کر سکتا ہے؟

□ ہاں بالکل کر سکتا ہے۔

□ نہیں جو خدا نے انسان کے مقدر میں لکھ دیا ہے انسان اس کو نہیں بدل سکتا

□ محنت اور دعا برے وقت کو ٹال سکتی ہے۔

☆ کیا دنیا میں ایسا کوئی علم ہے جس سے انسان آنے والے واقعات کو قبل از وقت جان لے لے؟

□ ہاں □ نہیں غیب کا علم صرف اللہ کے پاس ہے۔

- ☆ ہمارے معاشرے میں غربت اور بے روزگاری کی بنیادی وجہ آپ کے خیال میں کیا ہے؟
- محنت سے جی چرانا □ ہمارے معاشرے میں مواقع کا بہت کم ہونا
- لوگوں کو ان کی محنت کا صلہ نہ ملنا
- ☆ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہونا چاہیے؟
- دولت کا حصول تاکہ پرسکون زندگی گزار سکے۔
- آخرت کی کامیابی ہر ایک انسان کا اصل مقصد ہونا چاہیے۔
- ☆ اکثر لوگوں کی زندگی کا کوئی مقصد نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟
- ناکامی کا خوف □ مقصد کی صداقت پر متشکک ہونا
- مقصد کے حصول کے لیے درکار محنت سے گھبرانا
- ریسک لینے سے ڈرنا
- اپنی موجودہ حالت و قسمت کا ملکا سمجھ کر اپنے دل و دھمکن کرنے کی کوشش کرنا
- وہ ہر مقصد زندگی کا شعور نہ ہونا
- مندرجہ بالا تمام وجوہات درست ہیں۔
- تمام وجوہات غلط ہیں
- ☆ مصنف نے جو واقعات اس کہانی میں بتائے ہیں کیا وہ حقیقت میں ممکن ہیں "میں یہ کہ انسان اگر محنت کرے تو جو چاہے حاصل کر سکتا ہے؟
- یقیناً کیونکہ قسمت بھی ان کا ساتھ دیتی ہے جو کوشش کرتے ہیں۔
- نہیں انسان کے مقدر میں جو ملکا ہو وہ مل کر رہتا ہے
- ☆ لڑکے نے پین سے مسرتک کا سفر کرنے کے لیے صحرا عبور کیا اور رستے میں آنے والی نئی مشکلات کا سامنا بھی کیا جب کہ خزانہ اسی جگہ موجود تھا جہاں سے اس نے سفر کا آغاز کیا۔ کیا اس لڑکے نے نشانیوں کو سمجھنے میں غلطی نہیں کی؟
- نہیں قدرت نے خزانہ حاصل کرنے کے لیے یہی راستہ رکھا تھا تاکہ وہ بہت کچھ سیکھ سکے۔
- ہاں اس نے غلطی کی۔
- ☆ مصنف کے مطابق اللہ نے جو ہمارے نصیب میں لکھا ہے اس کے لیے محنت کو شرط قرار دیا ہے۔ اور

اس کے نشان ہماری زندگی میں رکھ دیے ہیں اگر ہم ان نشانات کو پہچانیں تو ہم اپنی منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ کیا آپ مصنف کی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں۔

□ یقیناً کیونکہ قسمت بھی ان کا ساتھ دیتی ہے جو کوشش کرتے ہیں۔

□ نہیں یہ بالکل افسانوی بات ہے جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔

☆ اگر ہم اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام بھی رہیں تو بھی اس کو ناکامی نہیں کہنا چاہیے کیونکہ اس دوران ہم اور بہت کچھ سیکھتے ہیں جو شاید قدرت ہمیں اس لیے سکھانا چاہتی ہیں کہ یہ ہماری آئندہ زندگی میں کام آئے گا۔ کیا آپ مصنف کی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں؟

□ بالکل کیونکہ جو چیز بغیر محنت کے حاصل کی جائے انسان اس کی قدر نہیں کرتا۔ اور کوشش کے دوران جو صلاحیت انسان کو حاصل ہوتی ہے وہ اس کا اصل سرمایہ ہے۔

□ نہیں ایسے لوگ خوابوں کی دنیا میں رہنے والے ہوتے ہیں۔

☆ کامیابی سے قبل قسمت انسان کا امتحان لیتی ہے۔ اور جو حوصلہ ہار دے وہ ناکام رہتا ہے۔ کیا آپ کے خیال میں یہ بات درست ہے؟

□ ہاں مقصد کا حصول محض ایک وقتی کامیابی ہے۔ اس جد جہد کے دوران انسان جو سیکھتا ہے وہ آئندہ زندگی میں اس کے کام آتا ہے۔

□ نہیں

☆ انسان جب کسی کام کا آغاز کرتا ہے یا کوئی نئی چیز سیکھنا چاہتا ہے تو ابتدا میں وہ کام بہت مشکل نظر آتا ہے، لیکن جب وہ اس کام کو انجام دے لیتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ یہ کام کتنا آسان تھا۔ تب اسے افسوس ہوتا ہے کہ اس نے اس کام کو کرنے میں اتنی دیر کیوں لگائی۔ کیا آپ اس بات سے اتفاق کرتے ہیں اور آپ کو کبھی ایسا تجربہ ہوا ہے؟

□ ہاں □ نہیں □ یقیناً نہیں کہہ سکتا۔

☆ انسان اکثر کوئی نیا کام کرنے سے ہچکچاتا ہے کیونکہ اس نے اس سے قبل وہ کام نہیں کیا ہوتا۔ ہر کام کو انسان زندگی میں کبھی نہ کبھی پہلی مرتبہ کرتا ہے اس لیے انسان کو کوئی بھی کام کرنے سے گھبرانا نہیں چاہیے؟

□ ہاں □ نہیں، ہر کام کے لیے مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔

☆ جس طرح صحرا میں سفر کرنے والے قافلے کسی رکاوٹ کو عبور کرنے کے لیے وقتی طور پر اپنا راستہ تبدیل کر لیتے ہیں، لیکن اس رکاوٹ کو عبور کرنے کے بعد دوبارہ قافلے کا رخ اپنی منزل کی طرف ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح اگر انسان وقتی طور پر کسی مشکل کی وجہ سے اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہے تو ناامید ہونے کی بجائے اسے چاہیے کہ مشکل پر قابو پانے کے بعد دوبارہ نئے عزم کے ساتھ اپنی منزل کی طرف سفر کا آغاز کرے؟ آپ کا کیا خیال ہے۔

□ ہاں انسان کی توجہ مشکلات کی بجائے ہر لمحہ اپنی منزل پر رہنی چاہیے۔

□ نہیں مقصد کے حصول میں فضول وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

☆ مصنف کے بقول جو لوگ مطمئن ہوتے ہیں ان کے دل میں اللہ رہتا ہے۔ قرآن میں بھی اللہ کا فرمان ہے "الَا يَذْكُرُ اللّٰهُ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ" یہاں اللہ کے ذکر سے کیا مراد ہے؟
□ محض زبان سے اللہ کا ذکر

□ ہر وقت اس بات کا احساس کہ اللہ انسان کے ساتھ ہے اور ہر کام میں اس بات کا خیال رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کا اس کام کے بارے میں کیا حکم ہے اور اس کام کو کرنے کا درست طریقہ کیا ہے جس سے وہ خوش ہوگا۔

☆ کچھ لوگوں کے مقاصد تو ہوتے ہیں مگر وہ سوچتے ہیں کہ پہلے یہ کام کر لیں پھر یہ کریں گے اور کام میں اس طرح الجھ جاتے ہیں کہ اپنے مقصد کا حصول بھول جاتے ہیں اور جب یاد آتا ہے تو بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے، تو پھر انسان کا رویہ کیسا ہونا چاہیے؟

□ انسان ہر وقت اس قابل ہوتا ہے کہ وہ کام کرے جس کو کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

□ جب بھی انسان کو فرصت ملے مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد کرے۔

☆ مقصد کے تعین اور اس کے حصول کی راہ میں ایک رکاوٹ کامیابی اور ناکامی کے بارے میں ہمارے غلط معیار بھی ہیں؟

□ جی ہاں یہ درست ہے

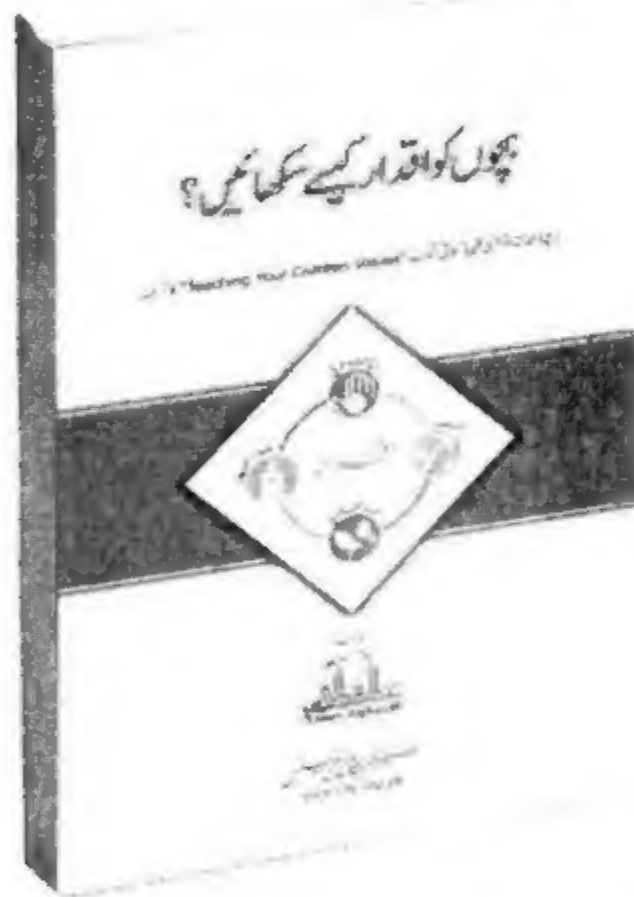
□ نہیں ایسا نہیں ہے

بچوں کو ذمہ داری کیسے سکھائیں؟



آپ یقیناً اپنے بچوں کو ایک ذمہ دار شہری بنانا چاہتے ہیں اس کتاب میں مصنف آپ کو ایسے دلچسپ اور عملی طریقوں سے روشناس کرائیں گے جن پر عمل کر کے آپ اپنے بچوں کو ذمہ داری سکھا سکتے ہیں۔

بچوں کو اقدار کیسے سکھائیں؟



بچے کسی بھی قوم کا اثاثہ ہیں اور ان کی تربیت قوموں کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

بچوں کی تربیت کا آغاز گھر سے ہوتا ہے۔

نپولین نے کہا ”مجھے اچھی مائیں دو میں تمہیں بہترین قوم دوں گا۔“

نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق والدین اپنی اولاد کو جو کچھ وراثت میں دیتے ہیں اس میں سب

سے قیمتی چیز بہترین تربیت ہے۔

ہمارے معاشرتی مسائل کی بنیادی وجہ تربیت کا فقدان ہے اور اس کی ایک وجہ تربیتی مواد کی کمی بھی ہے۔

لیکن اگر تربیت کی اہمیت اور فرض کی ادائیگی کا احساس تو باپ اپنی اولاد کے لیے خود کتاب لکھتا ہے

جو دنیا کے سامنے مراۃ العراس کے نام سے آتی ہے۔

خوش اخلاقی، ایثار، سچ بولنا، دیانتداری، محنت، قربانی اور اس طرح کی دوسری عادات وراثت میں

نہیں ملتیں بلکہ سکھانی پڑتی ہیں۔

اس کتاب میں بچوں کو بارہ اقدار سکھانے کے لیے انتہائی دلچسپ اور سہل طریقوں کا ذکر ہے جس

کے ذریعے آپ بچوں کو کھیل کھیل میں اقدار سکھا سکتے ہیں۔

گھر اور سکول کے لیے یکساں موزوں اور انتہائی مفید کتاب۔

اُردو تعلیمی سافٹ ویئر ”معلم“

زبان صرف ذریعہ اظہار ہی نہیں بلکہ کسی بھی قوم کی پہچان اور اس کے ملی افتخار کی علامت بھی ہے۔ کوئی بھی قوم اجنبی زبان کے سہارے ترقی نہیں کر سکتی۔ اجنبی زبان احساس کمتری کی علامت ہے اور احساس کمتری ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

”کسی قوم کو مغلوب کرنا ہو تو اس کو احساس کمتری میں مبتلا کر دو۔“ (لارڈ میکالے)

زبان کسی بھی قوم کی آنے والی نسلوں کا رابطہ اس کی جڑوں کے ساتھ مربوط کرتی ہے۔

اُردو کے تاریخی پس منظر اور جغرافیائی و قومی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے تعلیمی سافٹ ویئر ”معلم“ کو تربیت دیا گیا ہے۔ اس تعلیمی سافٹ ویئر میں دلچسپ سرگرمیوں کی مدد سے بچوں کو اُردو زبان سے واقفیت دلانے کے ساتھ ساتھ ماحول اور تعلیم سے متعلقہ بنیادی معلومات بھی فراہم کی گئی ہیں۔

یہ سرگرمیاں بچوں کی تخلیقی اور فکری صلاحیتوں کو جلا بخشنے اور پختہ کرنے میں انتہائی مددگار ہیں۔ اساتذہ کی معاونت کے لیے ہر سبق سے متعلق عملی مشقیں بھی سافٹ ویئر کا حصہ ہیں۔ یہ عملی مشقیں بچوں کی سمعی اور بصری صلاحیتوں کو جانچنے کے لیے نہایت مؤثر و معاون ہیں۔

مقاصد

- ☆ اُردو زبان کا فروغ
- ☆ اُردو سے متعلق احساس کمتری کو دور کرنا
- ☆ قومی افتخار کا فروغ
- ☆ اخلاقی اقدار کی ترویج
- ☆ تعمیر سیرت و کردار
- ☆ ذہنی استعداد میں اضافہ
- ☆ کمپیوٹر کے استعمال کی صلاحیت کی نشوونما



معلم میں شامل حروفِ تہجی کی پہچان، ترتیب اور بناوٹ، حروفِ تہجی پر زیر، زبر، پیش کا فرق اور آوازیں، انسانی جسم کے حصے، اُردو گنتی، موزیک، اپنا تعارف، لفظوں کے جوڑ توڑ، الفاظ بنانا، واحد جمع، مذکر مؤنث، الفاظ متضاد، الفاظ مترادف، میرا اقبال، بھیل اور اخلاقی اسباق بچوں کے لیے انتہائی آسان، عام فہم اور دلچسپ ہیں۔

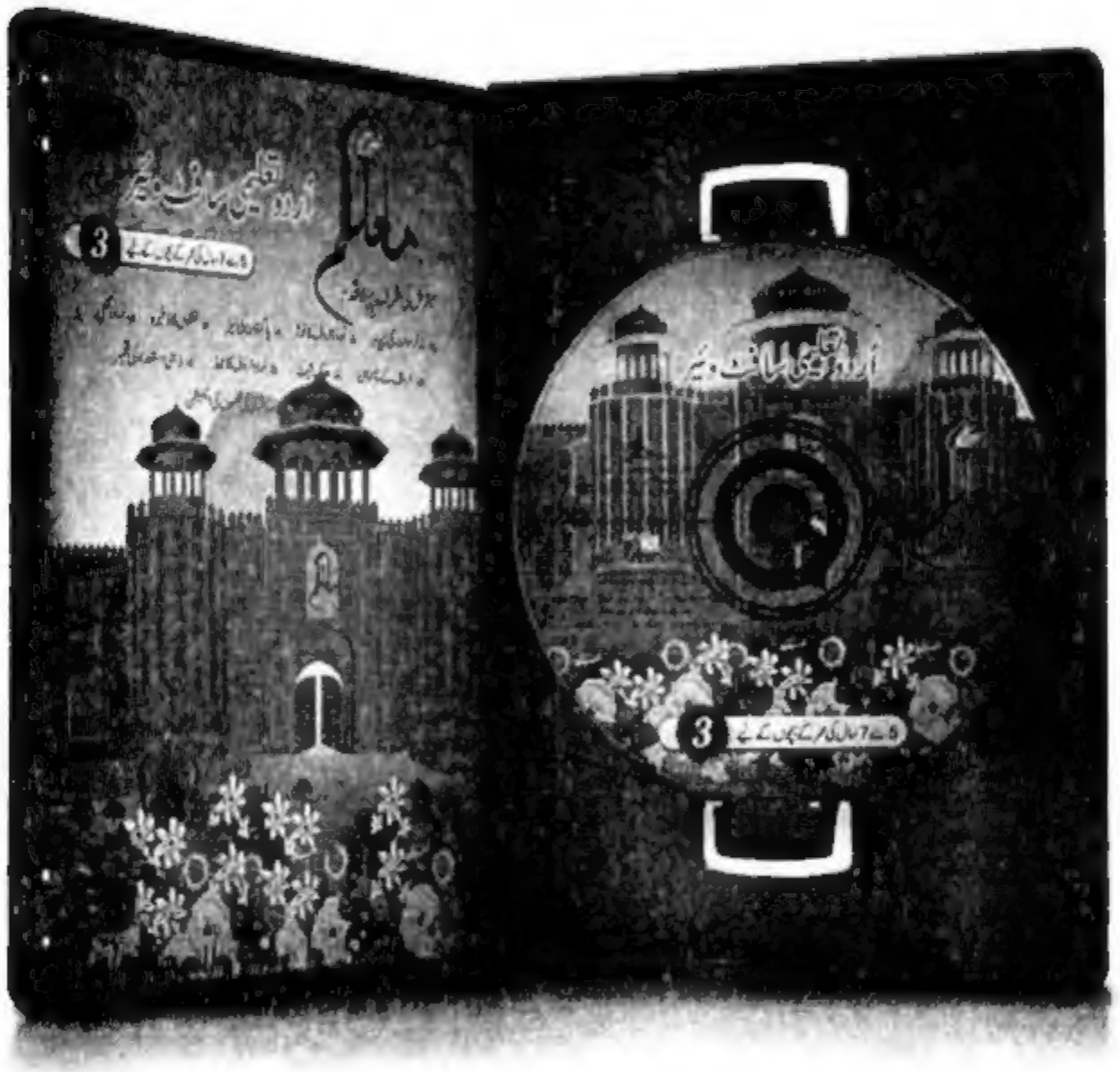
اب تک معلم کے 3 ولیم تیار کیے جا چکے ہیں

1۔ ولیم نمبر 1 3 سے 4 سال (پلے گروپ)

2۔ ولیم نمبر 2 4 سے 5 سال (نرسری / مونیشوری)

3۔ ولیم نمبر 3 5 سے 6 سال (پریپ / اوّل)

قیمت فی سی ڈی = 100/- روپے



سینٹر فار ہیومن ایکسلیسنس

کیمباگری

وہ اپنی منزل کی تلاش میں اندلس سے روات ہوا، لیکن افریقہ کے ساحل پر اپنی جمع پونجی سے محروم ہو گیا۔ پھر اس کی ملاقات ایک کیمباگر سے ہوئی جس نے اس کی رہنمائی دنیا کے سب سے بڑے خزانے تک کی۔ دنیا کی چالیس زبانوں میں ۴۴ کروڑ سے زیادہ تعداد میں فروخت ہوئی والی کتاب "الکیمسٹ" کا اردو ترجمہ



بچوں کو اقدار کیسے سکھائیں؟

اس کتاب میں بچوں کو بارہ اقدار سکھانے کے لیے انتہائی دلچسپ اور سہل طریقوں کا ذکر ہے جس کے ذریعے آپ بچوں کو کھیل کھیل میں اقدار سکھاسکتے ہیں۔ گھر اور سکول کے لیے یکساں موزوں اور انتہائی مفید کتاب۔



بچوں کو ذمہ داری کیسے سکھائیں؟

آپ یقیناً اپنے بچوں کو ایک ذمہ دار شہری بنانا چاہتے ہیں اس کتاب میں مصنف آپ کو ایسے دلچسپ اور عملی طریقوں سے روشناس کرائیں گے جس پر عمل کر کے آپ اپنے بچوں کو ذمہ داری سکھاسکتے ہیں۔



اردو تعلیمی سافٹ ویئر "معلم"

اردو کے ۱۵ عربی ہجے اور حروف تہجی کی قوی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے تعلیمی سافٹ ویئر "معلم" کو ترتیب دیا گیا ہے۔ اس تعلیمی سافٹ ویئر میں دلچسپ سرگرمیوں کی مدد سے بچوں کو اردو زبان سے واقفیت دلانے کے ساتھ ساتھ ماحول اور تعلیم سے حلقہ بنیادی معلومات بھی فراہم کی گئی ہیں۔
1- وائیم نمبر 31 سے 4 سال (بچے گروپ) 2- وائیم نمبر 42 سے 5 سال (زمری / ابتدائی)
3- وائیم نمبر 3-5 سے 6 سال (پہلے / اول)



مونیو-شیل کیلنڈر (Motivational Calender)

روزانہ کی ایک Motivational Quotation علامہ اقبال کی شاعری سے خوبصورت انتخاب
آپ کے گھر، دفتر اور دوستوں کو تحفے میں دینے کے لیے خوبصورت انتخاب



CENTRE FOR HUMAN EXCELLENCE

☞ Training ☞ Conferences ☞ Consulting ☞ Publications,

51-A3, Lawrence Road, Lahore Tel: +92-42-36315350 www.chs.org.pk